ماہنامہ

حکمت بالغہ

فروری2011

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: http://www.hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الملک (67)

(آیات 24۔30)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ ھُوَ الَّذِیْ ذَرَاَ کُمْ فِی الْاَرْضِ

کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا

وَ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ O

اور اسی کے روبرو تم جمع کیے جاؤ گے

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O

اور کافر کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعید کب (پوری) ہوگی؟

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ

کہہ دو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے

وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ O

اور میں تو کھول کھول کر ڈر سنا دینے والا ہوں

فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَۃً سِیْٓئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

سو جب وہ دیکھ لیں گے کہ وہ (وعدہ) قریب آ گیا

تو کافروں کے چہرے برے ہو جائیں گے

وَ قِيۡلَ هٰذَا الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ O

اور (ان سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کے تم خواستگار تھے

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَهۡلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنۡ مَّعِیَ اَوۡ رَحِمَنَا

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر مہربانی کرے

فَمَنۡ يُّجِيۡرُ الۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ O

تو کون ہے جو کافروں کو دکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے؟

قُلۡ هُوَ الرَّحۡمٰنُ

کہہ دو کہ وہ (اللہ) رحمٰن ہے

اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡنَا

ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ O

تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون تھا صریح گمراہی میں

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُكُمۡ غَوۡرًا

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی (جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو) خشک ہو جائے

فَمَنۡ يَّاۡتِيۡكُمۡ بِمَآءٍ مَّعِيۡنٍ O

تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمہارے لئے شریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟

صدق الله العظيم

تعارف بچوں کا رسالہ جو بڑے بھی پڑھ سکتے ہیں

ماہنامہ **کوثر** لاہور مدیر: ڈاکٹر نسیم الدین صاحب

بچوں کا خوبصورت رسالہ جس میں مفید معلومات، اقبالیات، نظریۂ پاکستان، قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کی ترغیب کے ساتھ ایک اچھا مسلمان بن کر زندگی گزارنے کا شوق پیدا کرنے والے مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ سالانہ چندہ: 150 روپے۔ پتہ: 72۔عمر دین روڈ، وسن پورہ لاہور

پارلیمنٹ اور مقنّنہ جیسے معزز ادارے کے ممبران کے لئے

نظریاتی رجحان کورسز

(IDEALOGICAL ORIENTATION COURSES)

کے اجراء کی ضرورت

انجینئر مختار فاروقی

پاکستان 1947ء میں 27/رمضان المبارک 1366ھ (شب قدر) میں دوقومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ برطانوی ہند میں ہندو اکثریت میں تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان آزاد ہوں؛ برطانوی منحوس استعمار بھی تقسیم ہند کے خلاف تھا تاہم مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر میں صدیوں سے موجود اس دوقومی نظریہ کا برملا اور برموقع اظہار کام آ گیا اور علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح جیسی شخصیات کی بے مثال فکری بصیرت اور بے لوث دور اندیش قیادت کی وجہ سے روئے ارضی پر پاکستان ایک نظریاتی ریاست کے طور پر وجود میں آ گیا۔ تاریخ پاکستان میں آئینی اور اجتماعی سطح پر کیے گئے سارے فیصلے پاکستان کی اسی نظریاتی حیثیت کو مؤکد کرنے والے ہیں۔ قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا، 1956ء کے دستور میں ملک کا نام اسلامیہ جمہوریہ پاکستان قرار پانا، اسلام کا سرکاری مذہب کے طور پر تسلیم کیا جانا، قادیانیوں کا صہیونیت اور مغربی استعمار کا منظور نظر ہونے کے باوجود مذہب کی بنیاد پر ایک غیر مسلم اقلیت قرار پانا وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔

1366ھ اور اب 1432ھ تک 66 سال کے عرصے میں اگرچہ پاکستان کے مسلمانوں کے بہت سارے خواب چکنا چور ہو گئے اور ملک کی کشتی صہیونیت اور مغربی اقوام کے

اُٹھائے ہوئے عالمی نظریاتی طوفانوں میں ہچکولے کھاتی رہی ہے تاہم آج تک پاکستان کی نظریاتی اور اسلامی حیثیت کو عوام کے دلوں سے نکالا نہیں جاسکا (اور نہ آئندہ ان شاءاللہ)۔

دوسری طرف.....تصویر کے دوسرے رُخ کے طور پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ 1947ء میں آزادی سے قبل اسلام کے داعی اور علمبردار طبقات میں سے جماعتوں، اداروں اور نامور بھاری بھرکم دینی و مذہبی شخصیات نے برطانوی استعمار سے آزادی کی صورت میں بیسویں صدی (دورِ حاضر) کی اسلامی ریاست کے قیام کی صورت میں اس کے تقاضوں کی بالکل تیاری نہیں کی اور اپنے آپ کو اس ملک پاکستان کو ایک آزاد اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کے طور پر چلانے کا اہل ثابت نہیں کیا اسی لئے قدرت نے انہیں یہ موقع نہیں بخشا۔ راقم کو عین الیقین حاصل ہے کہ ہماری دینی اور مذہبی قیادت نے جس وقت عصر حاضر کے تقاضوں (NORMS) کے مطابق ایک ریاست کو چلانے کی اہلیت پیدا کر لی اللہ ﷻ انہیں اس ملک کی قیادت پر بٹھا دے گا اور قرائن بتاتے ہیں کہ وہ وقت اب زیادہ دور کی بات نہیں۔ 1947ء کے مقابلے میں اب بہت سا سفر طے ہو چکا ہے بس تھوڑا سفر باقی ہے۔ واللہ اعلم

دینی اور عقلی طور پر ہماری دینی و مذہبی قیادت اور مسلمان زعماء، اہل علم اور اہل دانش پر یہ فرض بنتا تھا کہ جیسے ہی پاکستان کی منزل واضح ہوتی نظر آئی تھی وہ مستقبل کی ریاست کے تقاضے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے اور اس کی تیاری کرتے۔

مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال نے مستقبل کی اسلامی ریاست کی ایک بنیادی ضرورت 'قانون' یعنی 'دیوانی اور فوجداری قانون' کو مدوّن کرنے کی سعی فرمائی تھی، جامعہ ازہر مصر خطوط لکھے کوئی عالم ایسا میسر آجائے جو دینی علوم پر بھی دسترس رکھتا ہو اور انگریزی خواں بھی ہو مگر ایسا ''دانائے راز'' نہ مل سکا پھر آپ نے ایک درجہ اور کم کہ کوئی نامور عالم دین جو قلبی وسعت رکھتا ہو وہی میسر آجائے اس کے ساتھ مل کر باہمی افہام و تفہیم سے دور حاضر کی اسلامی ریاست کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق اسلامی قانون کو مدوّن کر دیا جائے۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب سے آپ کی خط و کتابت بھی ہوئی مگر یہ کام بھی نہ ہو سکا۔

قارئین اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ علامہ اقبال کی نگاہ میں

'قانون اسلامی کی تدوین نو' کتنا اہم اور بنیادی مسئلہ تھا (جس کی طرف خود علامہ اقبال کے مداحوں سے میں بھی اس وقت کوئی بڑھ کر اس کا بیڑا نہ اُٹھا سکا اور آج تک بھی نہیں اُٹھا سکا) کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔

اب تصور کیجئے صورت حال کا ــــــــــ ایک نئی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آ چکی ہے اس کی حکومت بن چکی ہے اب اس مملکت کو چلانا ہے اس کے لیے 'قانون' ایک مدون شکل میں درکار ہے بعض اہل علم عجلت میں یہ فرماتے ہیں کہ ''قرآن وسنت'' تو موجود تھا یہ جواب ناکافی ہے۔ عدالتوں کو نچلی سطح (LOWER COURTS LEVEL) پر مدون قانون اور ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ضلعی حکام اور ضلعی اور تحصیل سطح کے جج فوراً مجرم کو فیصلہ سنا سکیں۔ انتظامیہ کے ذمہ داروں اور عدلیہ کے ججز کے پاس صوابدیدی دائرہ کار بڑا محدود ہوتا ہے اور ہونا چاہئے ورنہ بااثر ملزمان (قاتل، چور، ڈاکو، سمگلر) اثر ورسوخ کی بنیاد پر قانون کو موم کی ناک بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

پاکستان کی پہلی قومی اسمبلی نے مجبوراً انگریزی دور کے قانون تعزیرات ہند کو ذرا سے لفظی تصرف کے ساتھ 'تعزیراتِ پاکستان' کا نام دے کر نافذ کر دیا اور معمولی ترامیم اور اضافوں کے ساتھ آج تک نافذ العمل ہے۔ غور فرمائیں اگر اس وقت حضرت علامہ اقبال کا مجوّزہ اور مطلوبہ 'تدوین شدہ قانون اسلامی' موجود ہوتا تو اس کو نافذ کرنے میں کیا دیر لگتی چند منٹ سے زیادہ کا کام نہیں تھا افسوس اور ملت اسلامیہ پاکستان کی بدقسمتی اور بدنصیبی کہ یہ کام ابھی تک بھی کماحقہٗ نہیں ہوسکا۔

دینی اور مذہبی قیادت، اسلامی اہل علم اور دانش ور حضرات کی یہی عملی کوتاہی ہے کہ ملک میں قانونی سطح پر انگریز کا قانون نافذ ہے اور ملکی قیادت وسیادت پر اسلام سے بے بہرہ اور نابلد لوگ قابض ہیں جس نے ملک کو انتظامی اور معاشی طور پر ایسی جگہ لا کھڑا کیا ہے کہ مہنگائی کے ہاتھوں عوام پریشان ہیں پھر بے روزگاری ہے اور آئے دن ضروریات زندگی کی قیمتوں میں بلاوجہ اضافے ہیں۔

ایک نظریاتی ملک پاکستان کے لئے ایک نظریاتی قیادت کی عدم دستیابی اور غیر نظریاتی

لوگوں کا ان کی جگہ پر مسلسل مخالفانہ قبضہ ــــــــــ تاریخ پاکستان کا دوسرا نام ہے۔اور یہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کا (جو ہمارے سرکاری تعلیمی اداروں میں نافذ العمل ہے) حاصل ہے جہاں 'کارِ جہاں' کے لئے ہر شعبے کے ماہرین تیار ہوتے ہیں مگر ان کو سیکولر بنیادوں پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور ان کے کردار اور شخصیت کی اُٹھان مادر پدر آزادی، من مانی اور لادینیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ خال خال کہیں کسی لیڈر میں مذہبیت نظر آتی ہے تو وہ اس کے خاندان اور ماحول کا کچھ اثر ہے ورنہ ناپید ہے۔آج سے 70 سال پہلے تحریک پاکستان میں اس 'مذہبیت' کا عنصر کافی زیادہ تھا جو آج مغربی بالادستی اور میڈیا کی یلغار کے باعث کم ہوتے ہوتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔

آج کے حالات میں مہنگائی میں پسے ہوئے عوام بالکل نڈھال ہیں، چولہے ٹھنڈے ہو رہے ہیں، فاقوں کی نوبت آ چکی ہے، ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو رات کو بھوکے سو جاتے ہیں۔ایسی صورت حال میں کہ عوام کی تو آنتیں بھی بھوک سے 'قل ھواللہ' پڑھ رہی ہیں جبکہ ایک وزیر با تدبیر کا 'قل ھواللہ' بچشم سر دیکھ نہ پڑھ سکنا اچھنبے کی بات ہے اور نا قابل یقین واقعہ ہے جو رونما ہوا ہے اور ہر جگہ زیر بحث ہے۔

قارئین اس واقعہ کی وجہ ہمارے نزدیک وہی ــــــــــ نظریاتی سطح پر قحط الرجال ہے اور ملک کی باگ دوڑ ایسے ہاتھوں میں ہونا ہے جو اس 'نظریہ' سے ہی کٹے ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر وطن عزیز پاکستان برطانوی ہند کو کاٹ کر بنایا گیا تھا، جس کا تخیل علامہ اقبال نے پیش کیا تھا اور جسے قائداعظم محمد علی جناح نے عملی جامہ پہنایا تھا اور جس کے لیے مسلمانانِ ہند نے بے شمار قربانیاں دی تھیں۔

ہمارے ملک کے آئین میں اگرچہ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اور سرکاری مذہب اسلام ہے اور اس جمہوری ملک کی پارلیمنٹ کے لئے منتخب ہو کر آنے والے پارلیمنٹرین حضرات کے لئے دفعات 61 اور 62 بھی موجود ہیں کہ ہر ممبر پارلیمنٹ مسلمان ہو ــــ چھ کلمے آتے ہوں نماز یاد ہو ــــ آخری دس سورتیں یاد ہوں نماز جنازہ اور دعائے قنوت یاد ہو ــــ مگر عملاً یہ ہوتا ہے کہ کسی حلقہ کے دونوں امیدوار (یا سارے امیدوار) اسی معاملے میں 'کانے' ہوتے ہیں لہٰذا ایک غیر تحریری ضابطہ اخلاق طے ہو گیا ہے اور بڑا اہم ہے کہ الیکشن کمیشن کے مقرر کردہ

افسر کے سامنے کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کے دوران کوئی ایک دوسرے سے یہ مذہبی سوال نہیں پوچھے گا لہٰذا اس شیطانی باہمی ملی بھگت سے قوم کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔

سوال صرف 'قل ھواللہ' سنانے یا نہ پڑھ سکنے کا نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قیادت اور مقنّنہ (اور انتظامیہ جو اکثر اسی مقنّنہ میں سے آتی ہے) سرے سے دوقومی نظریے، پاکستان کا ایک نظریاتی ریاست ہونے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہی ناواقف ہے بلکہ کسی ایسے نظریے کے وجود کی ہی منکر ہے اور ملک کو 'رواج' اور سیکولر (لادینی) بنیادوں پر (جو مغرب کے آقاؤں نے DICTATE کروادی ہیں) ہی چلانے کو اپنی فلاح اور ڈیوٹی سمجھتے ہیں۔

ان حالات میں ہماری تجویز یہ ہے کہ چونکہ

(1) ہمارا ملک دوقومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا

(2) ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے

(3) اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے

(4) ہم مسلمان ہیں

(5) ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے جس کی پارلیمنٹ کے ارکان منتخب ہو کر آتے ہیں

(6) ہمارے ملک میں ڈسٹرکٹ کی سطح پر بھی الیکشن کا نظام موجود ہے۔ ضلع ناظم، ضلع کونسل، تحصیل ناظم اور یونین کونسل ناظمین بھی لوکل گورنمنٹ کا حصہ ہیں۔

لہٰذا ہمارے ملک پاکستان میں قومی اسمبلی سے لے کر یونین کونسل کے ناظم تک ہر سطح پر تمام امیدواروں کے لئے ایک اسلامی نظریاتی رجحان کورس، لازمی قرار دی جائے۔

(1) قومی اسمبلی کے ممبران قومی اور ملکی سطح پر قانون سازی کے ذمہ دار ہیں لہٰذا ان کے لئے کم از کم پندرہ روزہ ایک نظریاتی کورس کا اجراء ضروری ہے جس میں

☆ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کا ایک منتخب نصاب (SELECTED PORTIONS)

☆ دفعہ 61 اور 62 کے تحت لازمی اُمور کی تعلیم

☆ دوقومی نظریہ کی حقیقت، ضرورت، اہمیت

☆ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی مسلم تعبیر کا خلاصہ

☆ نظریاتی ریاست کے تقاضے

☆ تاریخ اسلام..... یہود نصاریٰ، مشرکین (بھارت) سے تعلقات پر اسلامی تعلیمات

☆ اسلامی قانون سازی کی بنیادیں

☆ اور نظریاتی خارجہ پالیسی

کے مضامین شامل کیے جائیں اور NIPA یا دیگر سول سروس اکیڈمیوں میں ان کورسز کو پڑھایا جائے اور آئندہ ہر الیکشن میں کسی شخص کے اُمیدوار بننے کی اہلیت یہی 'کورس' قرار پائے۔

(2) اسی طرح کا اسلامی نظریاتی رجحان کورس صوبائی اسمبلی کے اُمیدواروں کے لئے بھی تشکیل دیا جائے۔

(3) صوبائی اسمبلیوں کے مساوی کورس ضلع ناظم اور تحصیل ناظم کیلئے بھی تشکیل دیا جائے۔

(4) مقامی سطح کے معالات میں رہنمائی اور صوبائی اور قومی سطح کی قیادت سے ہم آہنگی کے لئے اسی قسم کا کورس یونین کونسل ناظمین کے لئے بھی لازمی قرار دیا جائے۔

(5) اس کورس کی مناسب فیس مقرر کی جائے جو الیکشن میں حصہ لینے والے متوقع اُمیدوار برداشت کریں۔

(6) ایسے کورسز کا نصاب اسلامی نظریاتی کونسل اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے مشورے سے بنایا (DESIGN) جاسکتا ہے۔

اس قسم کی تجاویز آج سے چار سال قبل بھی چیف جسٹس آف پاکستان اور الیکشن کمیشن کے نام روانہ کی گئی تھیں جس کا کوئی عملی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اگر آپ ان تجاویز سے متفق ہوں تو ــــــــــ اسے ایک دینی اور اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھائیں اور متعلقہ اعلیٰ حکام تک پہنچانے کی سعی فرمائیں شاید آپ میں سے کسی کی ذرا سی توجہ سے اس تجویز پر عمل درآمد ہو جائے تو قوم کو نظریاتی شناخت بھی ملے گی اور مستقبل کے سفر کی صحیح سمت بھی واضح طور پر متعین ہو جائے گی۔

ملک عزیز میں نظریاتی بحران کا معاملہ صرف مقنّنہ اور انتظامیہ کا نہیں ہے بلکہ فوج کے بریگیڈیر سے اوپر کے افسران، پیرا ملٹری فورسز کے ذمہ داران، پولیس کے انتظامی عہدیدان، عدلیہ، بار کے ممبران، غیر ممالک میں پاکستان کے سفیر اور سفارتی عملہ وفاقی اور صوبائی منیجمنٹ کیڈر کے افسران وغیرہ وغیرہ سب ذرا سے درجے کے فرق کے ساتھ اسی بحران کی زد میں ہیں۔ لہٰذا ملکی بقا اور استحکام کے لئے ملک پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کی پہچان بہت ضروری ہے اور ان نظریاتی بنیادوں کی آبیاری کے لئے ہر سطح پر ایسے ریفریشر کورس کا اجراء اور لازمی عمل درآمد ضروری ہے تا کہ ملک صحیح سمت میں نظریاتی سفر جاری رکھ سکے اور جلد از جلد ایک جدید اسلامی جمہوری مثالی فلاحی ریاست کا نمونہ بن سکے۔

اللہ تعالیٰ سے بھی دُعا ہے کہ اس تجویز میں جو خیر ہے اس کو قبول عام عطا فرمادے آمین اور اگر کوئی شر کا پہلو ہے تو ملت اسلامیہ پاکستان کو بھی اور ہمیں بھی اس سے محفوظ رکھے آمین۔

---

25 روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

2011ء میں 3 کورسز

مئی، جون، جولائی 2011ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری وملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔ ☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی ☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔ ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلباء کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مئی، جون، جولائی 2011ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹرڈ کرائیں۔

خودی اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)
کی کتاب ''حکمت اقبال'' سے ایک باب

ایک رحمت للعالمین ﷺ کی ضرورت

چونکہ غلط تصورات حسن حق و باطل اور حسن و غیر حسن کے امتزاجات اور مرکبات پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہوسکتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں نوع انسانی کو کس طرح سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا صحیح اور سچا نصب العین کیا ہے؟۔ اقبال کا جواب یہ ہے کہ خدا خود نوع انسانی کی رہنمائی کا اہتمام کرتا ہے اور اس اہتمام کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے جو کامل نبی یا رحمت للعالمین پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کامل نبی یا رحمت للعالمین پہلے انبیاء کی طرح نوع انسانی کو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ان کا سچا نصب العین خدا ہے بلکہ تعلیم نبوت کو درجہ کمال پر پہنچا کر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی نظری تعلیم اور اپنی عملی زندگی کے نمونہ سے خدا کے تصور کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کرنے کی وجہ سے ایک کامل نظریہ حیات وجود میں لاتا ہے جو نوع انسانی کے ارتقاء کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان کو زندگی کے تمام شعبوں میں حسن و کمال کی انتہا تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ رحمت للعالمین جناب محمد ﷺ ہیں جن پر قرآن حکیم نازل ہوا ہے اور جن کا عطا کیا ہوا کامل نظریہ حیات اسلام کہلاتا ہے۔

تخلیق عالم کے تین مرحلے

اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ جب بھی خدا کوئی ہنگامہ عالم برپا کرتا ہے یا جہان رنگ و بو پیدا کرتا ہے تو خدا کی ازلی اور ابدی صفات کے تقاضوں کی وجہ سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی خاک سے خدا کی آرزو یا محبت کا جذبہ نمودار ہو یعنی اس کا مدعا انسان کی طرح کی کسی ایسی مخلوق کی تخلیق یا تکمیل ہوتا ہے جو ہمہ تن خدا کی آرزو یا محبت ہو۔ لہٰذا اس ہنگامہ عالم یا جہان رنگ و بو کے لئے آخر کار ایک رحمت للعالمین یا کامل نبی کا وجود ضروری ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی تعلیم اور اپنی عملی زندگی کے نمونہ کے اثر سے خدا کی محبت کی تربیت کر کے اس کو درجہ کمال پر پہنچائے چونکہ ضروری ہوتا ہے کہ یہ مخلوق آخر کار ایک ایسی خودی یا شخصیت کی صورت اختیار کرے جو ایک مکمل مادہ سے تعمیر پائے ہوئے مکمل جسم حیوانی میں جاگزیں ہو اور جس کا حسن اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ لہٰذا اس مخلوق کی تکمیل تین مرحلوں میں انجام پاتی ہے۔ سب سے پہلے تو اس کی تکمیل کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس مادہ یا مٹی کو جس سے اس کا جسم تیار ہونا ہے، مکمل کر لیا جائے لہٰذا اس جہان رنگ و بو کی تخلیق کے پہلے مرحلہ یا پہلے دور ارتقا کا مقصد مادہ اور اس کے قوانین کی تکمیل ہوتا ہے اس دور کی تخلیقی کارروائی کو قرآن حکیم نے ''تقدیر'' یعنی اندازوں کے تقرر کا نام دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہ اور اس کے قوانین کی تکمیل کے ہر مرحلہ پر ریاضیاتی اندازوں اور حسابوں کا تعین عمل میں لایا جاتا ہے۔ مادہ کی تکمیل کے بعد اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو جسم حیوانی اس مادہ سے تیار ہونا ہے اسے مکمل کیا جائے اور اسے بروقت ضرورت خود بخود عمل کرنے کے ایسے طریقے سکھا دیے جائیں جو جبلّتوں کی صورت میں جسم حیوانی میں راسخ ہو جائیں تا کہ حیوان خود بخود اپنی زندگی اور نسل کو قائم رکھ کر ترقی کے مدارج طے کرے اور پھر اس قدر مکمل ہو جائے کہ خودی کا مقام اور مسکن بن سکے۔ چونکہ اس دور کی تخلیقی کارروائی کا مقصد حیوان کے اندر جبلتی تقاضوں کو راسخ کرنا ہے لہٰذا خدا نے قرآن حکیم میں اس کو ''ہدایت'' یعنی بدنی اور حیاتیاتی ضرورتوں کی تشفی کے طریقوں کی ''راہ نمائی'' کا نام دیا ہے پھر جب خودی جسم حیوانی میں پیدا ہوتی ہے تو اس مخلوق کی تکمیل کا آخری دور شروع ہوتا ہے اور اس دور میں خودی ایک رحمت للعالمین یا مصطفےٰ ﷺ کا ظہور ہو سکتا ہے اور یا پھر اس میں کوئی رحمت للعالمین ظہور پا چکا ہوگا اور وہ اس کے

نور سے منور ہو رہا ہوگا۔ اقبال نے اس مضمون کو چار شعروں میں اس طرح بیان کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمت للعالمینے ہم بود
خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست رحمت للعالمینے انتہا است
ہر کجا بینی جہان رنگ و بو زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہا ست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

نبوت کیوں ختم ہو جاتی ہے

بعض لوگوں نے ابھی تک نہیں سمجھا کہ نبوت جس کا مقصد نوع انسانی کی ہدایت ہے، آخر کار کسی ایک نبی پر کیوں ختم ہو جاتی ہے اور کیوں جب تک نوع انسانی باقی ہے اور راہ نمائی کی ضرورت محسوس کرتی ہے یعنی تا قیامت جاری نہیں رہتی لیکن ہم نبوت کی حقیقت کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیں تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نبوت کی حقیقت

نبوت اور وحی کی حقیقت کے متعلق علامہ اقبال لکھتے ہیں:

''نبی روحانی تجربہ رکھنے والا ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کی ذات میں خدا سے ملاپ کا احساس اپنی حد سے گزر کر بہہ نکلنے پر مائل ہوتا ہے اور جماعتی زندگی کے محرکات کی نئی تشکیل اور راہنمائی کے مواقع تلاش کرتا ہے۔ اس کی شخصیت میں زندگی کا محدود مرکز اپنی غیر محدود گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے تا کہ پھر نئی قوت کے ساتھ ابھرے اور زندگی کی فرسودہ راہوں کی بیخ کنی اور اس کی نئی راہوں کی نشاندہی کرے اپنے وجود کی اصل کے ساتھ اس قسم کا رابطہ انسان کے ساتھ خاص نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وحی کا لفظ جس طرح سے قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک وحی زندگی کی ایک ہمہ گیر خاصیت ہے۔ اگر چہ ارتقائے حیات کے مختلف مرحلوں میں اس کی ماہیت یا کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ ایک پودا جو اپنی نوع کی موروثی شکل یا بناوٹ سے آزاد ہو کر فضا میں اُگتا ہے۔ ایک جسم حیوانی جو ایک نئے ماحول کی رعایت سے ایک ایسا نیا عضو پیدا کر لیتا

ہے جو اس کے باپ دادا کو حاصل نہیں تھا یا ایک انسان جو خودی کی اندرونی گہرائیوں سے علم کی روشنی حاصل کرتا ہے یہ سب وحی کی مختلف صورتیں ہیں جن کی ماہیت وحی پانے والے فرد کی ضرورت کے مطابق یا اس نوع کی ضرورت کے مطابق جس کا وہ فرد ہوتا ہے بدل جاتی ہے۔''

مظہر تقلیب

ایک پودے یا جسم حیوانی کا اس طرح سے نشو ونما پانا کہ اس کی موروثی شکل وصورت بدل جائے اور وہ ایک نئی نوع کا جداول بن جائے ایک حیاتیاتی مظہر قدرت ہے جسے حیاتیات کی زبان میں تقلیب یا نوع کا فوری تغیر کہا جاتا ہے۔ یہ زندگی کی خاصیات کا ایک تقاضا تھا کہ حیاتیاتی مرحلہ ارتقا میں تقلیبات بار بار اور نہایت کثرت کے ساتھ رونما ہوتی رہیں۔ حیوانات اور نباتات کی رنگارنگی اور بوقلمونی جو آج اس کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آرہی ہے ان ہی تقلیبات کا نتیجہ ہے۔ اقبال کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اقبال کے نزدیک نبوت کا نظریاتی مظہر اسی حیاتیاتی مظہر کی ہی ایک مختلف اور انسانی مرحلہ ارتقا سے مناسبت رکھنے والی شکل ہے جسے ماہرین حیاتیات نے تقلیبات یا انواع کے فوری تغیرات کا نام دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم قدرت کے مظہر تقلیبات کے اسباب اور اس کی کیفیات کا تجزیہ کر کے اس کے سارے علمی مضمرات اور متضمّنات پر حاوی ہو جائیں تو ہم سمجھ سکیں گے کہ اقبال نے تخلیق اور ارتقائے عالم میں رحمت للعالمین کے مقام کے متعلق اوپر کے چار شعروں میں جس خیال کا اظہار کیا ہے اس کی علمی اور عقلی بنیادیں کیا ہیں۔

تقلیبات کا سبب خودی کا زبردست جذبہ تکمیل ہے

تقلیبات حیاتیاتی ہوں یا نظریاتی ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خودی کی قوت تخلیق (یعنی خدا کے ارادہ تخلیق یا قول 'کُن' کی قوت) کائنات کو حالت کمال پر پہنچانا چاہتی ہے جس کی وجہ سے یہ کائنات ہر وقت ایک پیکر خوب تر کی جستجو میں رہتی ہے۔ یہ قوت نہایت ہی زبردست اور بے پناہ ہے اور اپنے ہر کام پر ہر حالت میں غالب آنے والی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَ اللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمۡرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَایَعۡلَمُوۡنَ O (12-21)

''خدا اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے''

پھر قرآن حکیم میں ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا O (35-44)

''اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا (اور) قدرت والا ہے''

لہٰذا جب بھی اس قوت کو اپنی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھنے میں کسی مزاحمت یا رکاوٹ کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنی پوری طاقت جمع کر کے اس کا مقابلہ کرتی ہے یہاں تک کہ اسے توڑ کر اپنی منزل مقصود کی طرف آگے نکل جاتی ہے۔ زندگی کے اسی وصف کی وجہ سے اقبال نے اسے جوئے کہستان سے تشبیہ دی ہے کہ وہ بھی جب رکتی ہے تو پہاڑوں کی چٹانوں کو چیر کر آگے نکل جاتی ہے

رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

حیوان کامل حیاتیاتی ارتقا کا مقصود

حیاتیاتی مرحلہ ارتقا ایک نہایت ہی چھوٹے سے حیوان ایبا سے شروع ہوا تھا جو مادی طور پر مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس قابل ہو گیا تھا کہ زندہ ہو جائے اور زندگی کا جوہر پا لینے کی وجہ سے کشش ثقل اور ایسے ہی دوسرے مادی قوانین کی مزاحمت کا مقابلہ کر سکے جو تمام جامد اور بے حرکت مادی اشیاء کو اپنے ضبط کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ پہلا حیوان اپنی ساخت میں اتنا سادہ تھا کہ صرف ایک ہی خلیہ پر مشتمل تھا لیکن زندگی کی رویا خدا کے قول کن کی قوت جو اس حیوان کے اندر کام کر رہی تھی اس کو برابر ترقی دیتی رہی یہاں تک کہ اس سے نئی انواع حیوانات پیدا ہوتی گئیں جن کی جسمانی ساخت بتدریج زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتی گئی اور جن کے مراکز دماغی اور نظام ہائے عصبی متواتر زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نت نئی وجود میں آنے والی انواع حیوانات کسی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں ظاہر ہے کہ حیاتیاتی مرحلہ ارتقاء میں خودی کی منزل مقصود یہ تھی کہ ایک ایسا کامل جسم حیوانی پیدا کیا جائے جو اپنی

مکمل جسمانی اور دماغی ساخت کی وجہ سے اس قابل ہو کہ اس میں جو ہر خودی نمودار ہو جائے تا کہ وہ آئندہ کے ارتقاء کا جو نظریاتی ارتقاء ہونے والا تھا ذریعہ بن سکے اور پھر اس کی اولاد کو ترقی دے کر روئے زمین پر پھیلا دیا جائے اور تمام حیوانات پر غالب کر دیا جائے تا کہ وہ دوسرے حیوانات کی مزاحمت کے بغیر آزادی سے عمل ارتقاء کو جاری رکھ سکے۔ یہی حیوان کامل انسان ہے۔

حیاتیاتی ارتقا کی رکاوٹیں

زندگی کو حیاتیاتی مرحلہ ارتقا میں اپنی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھنے میں جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا' ان میں ایک رکاوٹ حیاتیاتی وراثت کے قانون سے پیدا ہوئی۔ اس قانون کی وجہ سے ایک ہی نوع حیوانات کے افراد اپنے آباؤ اجداد کی جسمانی ساخت کا اعادہ کرتے ہیں خواہ وہ اچھی ہو یا بری، پست ہو یا بلند اور اس سے سرِ مو انحراف نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس قانون سے قدرت کی غرض یہ تھی کہ جب حیوان کامل یا انسان وجود میں آئے اور اس کی نسل ترقی پانے لگے تو اس کی اولاد اپنی اس ابتدائی جسمانی ساخت کو جو سب سے پہلے انسان کو عطا ہوئی ہو اور جو کروڑوں برس کے حیاتیاتی ارتقاء کا نہایت ہی قیمتی ثمر قرار پا چکی ہو نسلاً بعد نسلٍ ایک اندرونی حیاتیاتی دباؤ کی وجہ سے اپنی اصلی صورت میں ہمیشہ قائم رکھ سکے۔ تا کہ انسان اپنی اس پائیدار حیاتیاتی تکمیل اور برتری کی وجہ سے نہ صرف قائم رہے اور دنیا میں پھیل جائے بلکہ اپنے قائم رہنے اور پھیل جانے کی وجہ سے اپنے نظریاتی ارتقاء کو کسی نا قابل عبور مزاحمت کے بغیر جاری رکھ سکے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک حیاتیاتی سطح ارتقاء پر ہر نچلے درجہ کی نوع حیوانات میں سے کم از کم ایک فرد حیاتیاتی وراثت کے قانون کو توڑ کر کسی بہتر اور بلند تر قسم کی جسمانی ساخت کا مالک نہ بنے جو اس کی اولاد میں بھی منتقل ہو اس وقت تک ایک نوع سے دوسری بلند تر نوع پیدا نہ ہو سکتی تھی اور حیوان کامل یا انسان کے ظہور تک نوبت ہی نہ پہنچ سکتی تھی۔

حیاتیاتی تقلیبات کا سلسلہ

لہٰذا حیاتیاتی مرحلہ ارتقا میں ایسا ہوتا رہا کہ ہر بار جب خودی نے محسوس کیا کہ اس کی منزل مقصود کی طرف اس کی ارتقائی حرکت بعض رکاوٹوں کی وجہ سے حد سے زیادہ سست ہو رہی ہے

تو اس نے ایک غیر معمولی کوشش کی اور یکا یک گویا ایک جست سے اپنی رکاوٹوں کو عبور کر گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا جسم حیوانی فوری اور معجزانہ طور پر وجود میں آ گیا جو اپنی نوع سے یکسر مختلف تھا اور اپنی ترقی یافتہ جسمانی ساخت کی وجہ سے کامل جسم حیوانی سے قریب تر تھا۔ پھر اس ترقی یافتہ جسم حیوانی کی اولاد سے ایک نئی اور بہتر اور بلند تر نوع حیوانات عالم وجود میں آئی۔ حیاتیاتی تقلیبات کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی جب تک کہ وہ کامل جسم حیوانی نمودار نہیں ہوا جو حیاتیاتی ارتقاء کی منزل مقصود تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو تقلیبات کے ظہور کا سبب (یعنی منزل سے دور مزاحمت رکاوٹ اور سست رفتاری کا سامنا) زائل ہو جانے کی وجہ سے ان کا سلسلہ خود بخود منقطع ہو گیا اور یہ کامل جسم حیوانی آخری نوع حیوانی قرار پایا۔ یہی آخری اور کامل جسم حیوانی انسان ہے۔

حیاتیاتی ارتقا کی شاہراہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت انسان کی اولاد ترقی پا کر تمام انواع حیوانات پر غالب آ چکی ہے اور اس کے ذریعہ سے کائنات کا آئندہ کا ارتقا جو نظریاتی قسم کا ہے جاری ہے۔ حیاتیاتی ارتقا کا وہ راستہ جو امیبا سے انسان تک جاتا ہے حیاتیاتی ارتقا کا سیدھا راستہ یا اس کی شاہراہ ہے جس پر ارتقا براہ راست خالق کائنات کے مقصد کے مطابق ہوتا رہا۔ اس شاہراہ کی ہر منزل پر جسم انسانی کی ایک نئی ترقی یافتہ صورت ایک جدید نوع حیوانی کی شکل میں ایک تقلیب کے ذریعہ سے وجود میں آتی رہی۔ تاہم اس شاہراہ کی مختلف منزلوں سے ارتقا کے غلط راستے بھی نکلتے رہے جن پر ارتقا جاری رہا لیکن تھوڑی دور آگے جا کر ختم ہو گیا کیوں کہ ارتقا کی شاہراہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ارتقا کی منزل مقصود پر پہنچ سکے۔ ارتقا کی ان گمراہیوں کی وجہ یہ تھی کہ شاہراہ ارتقا کی ہر منزل پر انسان کی پست تر اشکال کو ابھی حیوانی سطح پر ہی تھیں غلط قسم کا حیاتیاتی ماحول میسر آیا جس کی وجہ سے زندگی یا حیاتیاتی تکمیل کی قوت جو ان کے اندر کام کر رہی تھی اور جو کسی اور راستہ پر کامیاب ہو رہی تھی، موافق حالات نہ پانے کی وجہ سے ایسی سمتوں میں کام کرنے اور ایسی تقلیبات پیدا کرنے لگی جو جسم انسانی کی تکمیل کی طرف آگے نہ جاتی تھیں اور جو لہٰذا براہ راست اس کا مقصود نہ تھیں۔ زندگی کا قاعدہ ہے کہ وہ ناموافق حالات میں بھی اپنی جس قدر ممکنات کو جس

قدر زیادہ ظاہر کرسکتی ہے' ظاہر کرتی ہے۔ موجودہ دور میں بعض غلط نظریاتی جماعتوں کی عارضی طاقت اور شان وشوکت زندگی کے اسی قاعدہ کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک تقلیب صحیح راستہ سے ہٹ جائے تو ضروری ہے کہ بعد کی تقلیبات اور بھی صحیح راستہ سے ہٹتی چلی جائیں کسی ریلوے کی برانچ لائن کی طرح کہ وہ مین لائن سے الگ ہوتی ہے تو پھر جس قدر آگے جاتی ہے اس قدر اس سے اور دور ہوتی چلی جاتی ہے۔

آئندہ کے ارتقا کی نوعیت

زندگی کا ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقی کاروائیوں میں کفایت سے کام لیتی ہے اور اپنے کارآمد حاصلات کو کبھی ضائع نہیں کرتی بلکہ ان سے پورا کام لیتی ہے۔ اس قاعدہ کی وجہ سے زندگی ارتقا کے عمل میں اپنی جس مخفی استعداد کو ایک بار نمودار کر لیتی ہے اسی کو آئندہ کے ارتقا کے لئے کام میں لاتی ہے اور درحقیقت وہ اس کو نمودار ہی اسی لئے کرتی ہے کہ اسے آئندہ کے ارتقا کی اسکیم میں اس سے کام لینا ہوتا ہے۔ کروڑوں برس کے حیاتیاتی ارتقا کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ حیوان کامل یا انسان وجود میں آ گیا ہے جو نہ صرف حیاتیاتی نقطہ نظر سے کامل ہے بلکہ جس کے اندر حیاتیاتی تکمیل کی وجہ سے ایک نئی استعداد یعنی خدا کی محبت کا ایک طاقت ور جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا زندگی کے اس قاعدہ کے مطابق ضروری ہے کہ انسان کے بعد کا سارا ارتقا انسان ہی کے راستہ سے ہو اور اس کا دارومدار انسان کی اس استعداد کے اظہار پر ہو۔ دوسرے لفظوں میں اب کائنات کے ارتقا کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان اپنی عملی زندگی میں خدا کی محبت کے جذبہ کو کس حد تک مطمئن کرتا ہے۔ چونکہ جولین ہکسلے (JULIAN HUXLEY) خدا کے عقیدہ سے ناآشنا ہے اور فطرت انسانی میں نظریات اور اقدار کے منبع کو نہیں جانتا وہ اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کرتا ہے: ''انسان کے وجود میں آنے کے بعد ارتقا کی نوعیت یکا یک بدل جاتی ہے۔ انسانی شعور کے ساتھ اقدار اور نظریات پہلی دفعہ زمین پر ظہور پذیر ہوئے۔ لہٰذا مزید ارتقا کا معیار یہ ہے کہ یہ نظریاتی اقدار کس حد تک مطمئن ہوتی ہیں۔'' چونکہ خدا کی محبت کا جذبہ جو صحیح نظریہ حیات کی بنیاد بنتا ہے وہی بہک کر غلط نظریات بھی پیدا کرتا ہے ظاہر ہے کہ نوع انسانی کے تمام نظریات اسی جذبہ کی پیداوار ہیں اور اسی کو مطمئن کرنے کی کامیاب یا ناکام کوششیں ہیں۔

زندگی شرح اشارات خودی است
لا و الا از مقامات خودی است

حیاتیاتی اور نظریاتی ارتقا کی مماثلت

چونکہ زندگی ایک ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے لہٰذا خواہ وہ حیاتیاتی سطح ارتقا پر سرگرم عمل ہو یا نظریاتی سطح ارتقا پر۔ اس کے بڑے بڑے اوصاف وخواص کے اظہار میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا۔ مثلاً اگر زندگی حیاتیاتی سطح پر نشوونما کرتی ہے تو نظریاتی سطح پر بھی نشوونما کرتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطح ارتقا پر جسم حیوانی کی صورت میں ایک کل یا وحدت کی تشکیل کرتی ہے تو نظریاتی سطح ارتقا پر بھی انسانی شخصیت کی صورت میں ایک کل یا وحدت کی تشکیل کرتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطح پر ایک جسم حیوانی ایک خاص مادی شکل رکھتا ہے جو اس کے اعضا و جوارح کی ساخت سے صورت پذیر ہوتی ہے تو نظریاتی سطح پر انسانی شخصیت بھی ایک خاص نظریاتی شکل رکھتی ہے جو اس کے نصب العین کی صفات سے پیدا ہونے والے اعتقادات وتصورات، اخلاق و اعمال، عادات و شمائل اور افکار و آراء سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ اگر جسم حیوانی حیاتین، پروٹین اور فلزات کی صورت میں مادی غذا جذب کر کے نشوونما پاتا ہے تو شخصیت انسانی بھی نصب العین کی صفات کے حسن کی صورت میں نفسیاتی غذا جذب کر کے نشوونما پاتی ہے۔ اگر جسم حیوانی نشوونما پا کر فرد کے والدین کے جسمانی نمونہ کے مطابق بن جاتا ہے تو شخصیت انسانی بھی نشوونما پا کر فرد کے والدین کے نظریاتی نمونہ کے مطابق بن جاتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطح پر ایک جسم حیوانی عمل توالد کے ذریعہ سے اپنی شکل کے اور بہت سے حیوانات پیدا کر کے اپنی مخصوص نوع حیوانی کو وجود میں لاتا ہے تو نظریاتی سطح پر ایک انسانی شخصیت بھی ایک قسم کے نظریاتی توالد کے ذریعہ سے اپنی ہی نظریاتی شکل کی اور بہت سی شخصیتیں پیدا کر کے اپنی مخصوص نظریاتی جماعت کو وجود میں لاتی ہے۔ اگر زندگی کی خصوصیات کی وجہ سے ضروری تھا کہ انواع حیوانات ایک ایسی نوع حیوانات کی سمت میں ارتقا کرتی رہیں جو حیاتیاتی طور پر کامل ہو یعنی نوع انسانی کی سمت میں، تو ان ہی خصوصیات کی وجہ سے یہ بھی ضروری تھا کہ نظریاتی جماعتیں بھی ایک ایسی نظریاتی جماعت کی طرف ارتقا کرتی رہیں جو نظریاتی طور پر کامل ہو۔ یہ نظریاتی جماعت رحمت للعالمین کی اُمت ہے۔ جس طرح سے ضروری

تھا کہ پہلے انسان کے ظہور کے بعد جنگلوں کے دوسرے خونخوار حیوانات کے بالمقابل انسان کی ظاہری توانائی کے باوجود انسان کی نسل دنیا میں پھیل جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ رحمت للعالمین کے ظہور کے بعد ان کی روحانی اولاد یعنی مسلمان قوم دوسری قوموں کے بالمقابل اپنی موجودہ ظاہری کمزوری کے باوجود آخرکار دنیا میں پھیل جائے۔ جس طرح سے نوع انسانی کے ظہور کے بعد بھی حیاتیاتی ارتقا غلط راستوں پر جاری رہا اور دیر تک انسان سے کمتر درجہ کی انواع حیوانات وجود میں آتی رہیں، اسی طرح سے رحمت للعالمین کی اُمت کے ظہور کے بعد نظریاتی ارتقا بھی غلط راستوں پر جاری ہے اور نظریاتی اعتبار سے اُمت مسلمہ سے کمتر درجہ کی نظریاتی جماعتیں وجود میں آرہی ہیں۔ لیکن جس طرح سے ضروری تھا کہ نوع انسانی دوسری تمام انواع حیوانات پر جو انسان کے ظہور سے پہلے اور بعد نمودار ہوئی تھیں مکمل طور پر غالب آئے، اسی طرح سے ضروری ہے کہ رحمت للعالمین کی اُمت بھی تمام نظریاتی جماعتوں پر جو رحمت للعالمین کے ظہور سے پہلے اور بعد نمودار ہوئی ہیں مکمل طور پر غالب آئے۔ قرآن حکیم نے زوردار الفاظ میں اس غلبہ کی پیشگوئی کی ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O

''خدا وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے نظریہ حیات کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دوسرے نظریات پر غالب کر دے خواہ مشرک (توحید کی غلط تشریح کرنے والے) اس بات کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں''

نظریاتی ارتقا کا نقطۂ آغاز

نظریاتی مرحلہ ارتقا پہلے مکمل جسم حیوانی یا پہلے انسان سے شروع ہوا تھا جو حیاتیاتی طور پر مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس قابل ہو گیا تھا کہ اس میں خدا کی محبت کا ایک طاقت ور جذبہ اس کی تمام جبلتی خواہشات کی حکمران قوت کی حیثیت سے پیدا ہو۔ جس طرح سب سے پہلے جاندار یعنی ایک خلیہ کے حیوان امیبا کے ظہور کے بعد ضروری تھا کہ ارتقا کلیتًا حیاتیاتی ہوتا، اسی طرح سے پہلے انسان کے ظہور کے بعد ضروری تھا کہ ارتقا کلیتًا نظریاتی ہوتا۔ سب سے پہلے انسان کو نہ صرف خدا نے حسن کی محبت کا جذبہ عطا کیا بلکہ اس کو نبوت بھی عطا کی یعنی اپنی خاص رحمت سے وحی کے

ذریعہ سے اس کو اور اس کی اولاد کو اس جذبہ محبت کی تسکین اور تشفی کی راہ نمائی بھی عطا کی اور بتایا کہ وہ خدا کی محبت اور عبادت سے مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہوسکتا ہے۔ قدرت کوئی ضرورت پیدا نہیں کرتی جس کی تکمیل کا اہتمام خود نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی ہر ضرورت ارتقا کے کسی مقصد کو پورا کرتی ہے اور اگر قدرت اس ضرورت کی تکمیل کا اہتمام نہ کرے تو اس ضرورت کو پیدا کرنے کا کوئی فائدہ یا مقصد ہی نہ ہو اور اگر ارتقا کا دارومدار اس ضرورت کی تکمیل پر رکھا گیا ہو تو ارتقا بھی جاری نہ رہ سکے۔ یہی سبب ہے کہ سب سے پہلے انسان جن کو حضرت آدم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے خدا کے نبی تھے۔ چونکہ انسان از خود اپنے جذبہ محبت کے مقصود کو نہیں جان سکتا اور جذبہ محبت نہایت آسانی سے بہک جاتا ہے لہٰذا اگر وہ نبی نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے سب سے پہلے انسان کے دل میں اپنی محبت کا جذبہ تو پیدا کیا لیکن اس کی راہنمائی نہیں کی۔ بلکہ اس کو سرگرداں اور بے راہرو ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ ایسا ہونا خدا کی رحمت اور ربوبیت کے ان تقاضوں سے ہی بعید ہوتا جن کے ماتحت اس نے انسان کو اپنی محبت کا جذبہ عطا کیا تھا۔ نبی کی تعریف ہی یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی جدوجہد اور کوششیں نہیں بلکہ خدا کی خاص رحمت سے اور براہ راست خدا سے وحی پا کر اس بات کا علم حاصل کرتا ہے کہ انسان کی محبت کا مقصود فقط خدا ہے اور انسان خدا کی محبت کے فطری جذبہ کو عملی طور پر خدا کی عبادت اور اطاعت سے مطمئن کرسکتا ہے اور اپنی قوم کے دوسرے افراد کو اس علم سے مستفید کرتا ہے۔

نبی کامل.....نظریاتی ارتقا کا مقصود

یہ بات آشکار ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اُمت کا نظریہ حیات (اور ظاہر ہے کہ ان کی اُمت ان کی اولاد کے ایک حصہ پر ہی مشتمل ہوگی) نہایت سادہ ہوگا۔ اس وقت ہمیں معلوم ہے کہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے ضروری تقاضوں میں سیاست، عبادت، اخلاق، تعلیم، قانون، صنعت وحرفت، تجارت، سماجی اور خاندانی تعلقات اور جنگ وغیرہ شامل ہیں لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جب انسان کی زندگی کے کاروبار کا دارومدار زیادہ تر سیر و شکار ہوگا۔ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے ضروری تقاضے ابھرتے گئے ان پر خدا کی محبت کے اُصول کا اطلاق کرنے کے لئے نئے نئے انبیاء (علیہم السلام) پیدا ہوتے رہے اور ان کی روحانی اولاد سے نئی نئی

امتیں وجود میں آتی رہیں اوران کی عملی اورنظری تعلیم سے خدا کے عقیدہ پرمبنی نئے نئے نظریات پیدا ہوتے رہے جوانسان کے تمدنی ارتقا کے ساتھ ساتھ اپنی وسعت اورتفصیل میں بتدریج ترقی کرتے رہے ایک روایت کے مطابق انبیاء کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترقی پذیر انواع حیوانات کی طرح یہ نت نئی پیدا ہونے والی ترقی پذیر اُمتیں بھی اپنے نظریات کے سمیت کسی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں۔ظاہر ہے کہ نظریاتی مرحلہ ارتقا میں خودی کی منزل مقصود یہ تھی کہ وہ ایک کامل نبی پیدا کرے جو اپنی عملی زندگی کی مثال سے ایسا نظریہ حیات وجود میں لائے جو خدا کی محبت کے اُصول کو انسان کی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں مثلاً سیاست' عبادت' اخلاق' تعلیم' قانون' صنعت وحرفت' تجارت' سماجی اور خاندانی تعلقات اور جنگ وغیرہ پر چسپاں کرے اورلہٰذا ایک کامل نظریہ حیات ہواور پھر اس کامل نبی کی روحانی اولاد یا اُمت کو ترقی دے کر روئے زمین پر پھیلائے اورتمام نظریاتی جماعتوں پر غالب کر دے تاکہ وہ دوسری نظریاتی جماعتوں کی مزاحمت کے بغیر آزادی سے نوع انسانی کے ارتقا کو جاری رکھ سکے اوران کو حسن وکمال کی انتہا تک پہنچا سکے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کا نظریہ حیات یا قانون شریعت وہی ہوتا ہے جو لوگوں کو اس کی اپنی عملی زندگی کی مثال میں پوری طرح سے سمویا ہوا نظر آئے۔جو کام ایک نبی اپنی عملی زندگی میں خود نہ کرسکا ہواور وہ اس کے ماننے والے فقط اس کی زبانی نصیحت کی بنا پر کر لینے کا داعیہ نہیں پاتے اور وہ کام بجا طور پر اس کی تعلیمات سے عملاً خارج سمجھ لیا جاتا ہے۔

نظریاتی ارتقا کی رکاوٹیں

حیاتیاتی سطح ارتقا پر زندگی کی جو خصوصیات ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں ہم ان کی بنا پر حیاتیاتی تقلیبات کی نہایت ہی معقول وجوہات قائم کر سکتے ہیں۔ان وجوہات کی روشنی میں یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو نظریاتی مرحلہ ارتقا میں بھی اپنی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھنے میں اپنی پیدا کی ہوئی جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں سے ایک رکاوٹ پھر ایک قسم کے قانون وراثت سے پیدا ہوئی جس کو نظریاتی وراثت کا قانون کہنا چاہئے۔اس قانون کے عمل سے ایک ہی نظریاتی جماعت کے افراد ہمیشہ اپنے آباواجداد کے نظریہ حیات کو اختیار کرتے ہیں۔

خواہ وہ نظریہ حیات اچھا ہو یا برا، زیبا ہو یا زشت اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے اس قانون سے قدرت کی غرض یہ تھی کہ جب بھی نبی کامل یا رحمت للعالمین ظہور پذیر ہوں اور ان کی روحانی اولاد بڑھنے اور ترقی پانے لگے تو وہ اپنے نبی کے کامل نظریہ حیات کو جو کہ ظاہر ہے کہ لاکھوں برس کے نظریاتی ارتقا کا نہایت ہی قیمتی ثمر قرار پا چکا ہوگا، نسلاً بعد نسلٍ ایک اندرونی نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے ہمیشہ اسی اصلی صورت میں قائم رکھ سکیں جس میں ان کے نبی نے اسے چھوڑا ہو۔ تاکہ نبی کامل کی اُمت اپنی پائیدار نظریاتی تکمیل اور برتری کی وجہ سے نہ صرف قائم رہے اور دنیا میں پھیل جائے بلکہ اپنے قائم رہنے اور پھیل جانے کی وجہ سے نوع انسانی کو کسی ناقابل عبور مزاحمت کے بغیر حسن وکمال کی انتہا تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ لیکن ہر نبی کی صورت میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ اس کی قوم ایک عرصہ تک تو اپنی عملی زندگی کو نہایت سختی کے ساتھ اس کے عطا کئے ہوئے نظریہ حیات کے تابع رکھتی تھی۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا تھا جب اس کے تمدنی حالات ترقی کر کے ان کی قدرتی عملی زندگی کے بعض ایسے اہم نئے گوشوں کو بے نقاب کر دیتے تھے جن کے متعلق نبی کی عملی زندگی کی مثال میں یہ راہنمائی موجود نہ تھی کہ ان پر خدا کے تصور کا اطلاق کس طرح سے ہو؛ لہٰذا اس مرحلہ پر پہنچ کر نظریاتی ارتقا کو جاری رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اس نبی کی اُمت میں سے کم از کم ایک فرد ایسا پیدا ہو جو پہلے نبی ہی کی طرح خدا کی وحی سے علم اور اطمینان پا کر اور نظریاتی وارثت کے قانون کو برطرف رکھ کر اپنی عملی زندگی کی مثال کی صورت میں ایک نیا نبوتی نظریہ حیات پیش کرے جو خدا کے تصور کو قوم کے نئے حالات پر چسپاں کرے اور خدا کی وحی کے نام پر ہی دوسروں کو دعوت دے کہ وہ اس نظریہ کو قبول کریں۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک نبوتی نظریہ حیات کے بعد دوسرا بہتر اور بلند تر نبوتی نظریاتی حیات پیدا نہ ہوسکتا اور ایک ایسے نبی کے ظہور کی نوبت نہ آسکتی جو خدائے واحد کے عقیدہ کو اپنی نظریاتی تعلیم اور عملی زندگی کی مثال سے انسان کی ترقی یافتہ قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کر کے ایک کامل نبی قرار پائے۔

نظریاتی تقلیبات کا سلسلہ

لہٰذا نظریاتی مرحلہ ارتقا میں زندگی کی خصوصیات کی وجہ سے ایسا ہوتا رہا کہ ہر بار جب زندگی نے محسوس کیا کہ اس کی منزل مقصود یعنی رحمت للعالمین کے ظہور کی طرف اس کی ارتقائی

حرکت بعض رکاوٹوں کی وجہ سے حد سے زیادہ سست ہو رہی ہے تو اس نے ایک غیر معمولی کوشش کی اور یکا یک گویا ایک جست سے اپنی رکاوٹوں کو عبور کر گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نیا نبی معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہو گیا۔ جس کا نظریہ حیات زندگی کے نئے حالات پر بھی حاوی تھا اور جس کی روحانی اولاد سے ایک نئی اُمت پیدا ہوئی۔ اس طرح سے ایک نبوتی نظریہ حیات سے دوسرا بعض وجوہ سے بہتر اور بلند تر نظریہ حیات پیدا ہوتا رہا۔ نظریاتی تقلیبات کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی جب تک کامل نبی کا ظہور نہیں ہوا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو نظریاتی تقلیبات کے ظہور کا سبب زائل ہو جانے کی وجہ سے ان کا سلسلہ خود بخود اسی طرح سے منقطع ہو گیا جس طرح سے حیاتیاتی تقلیبات کا سلسلہ ان کا مقصد حاصل ہونے اور ان کے ظہور کا سبب زائل ہونے کے بعد یعنی ایک مکمل جسم حیوانی یا انسان کے ظہور کے بعد خود بخود منقطع ہو گیا تھا۔ لہٰذا کامل نبی خاتم النّبیین یا آخری نبی بھی قرار پائے۔ یہی کامل اور آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کو قرآن حکیم نے رحمت للعالمین کا لقب دیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی عملی زندگی کی مثال میں خدا کا عقیدہ انسان کی قدرتی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں ہو گیا ہے اور نبوتی راہنمائی کی تکمیل ہو گئی ہے اور نوع بشر جو حاصل عالم ہے تا قیامت کسی اور نبی کی قیادت سے بے نیاز ہو گئی ہے اور اب صرف ان کے ذریعہ سے اپنے حسن و کمال کی انتہا تک پہنچ کر خدا کی انتہائی رحمتوں سے ہم کنار ہو گی۔

ارتقائے نبوت کے ان حقائق کی طرف ہی اشارہ کرتے ہوئے اقبال کہتا ہے کہ خودی سوانبیاء کو پیدا کر کے ختم کرنے کے بعد ہی ایک کامل نبی پیدا کرتی ہے

شعلہ ہائے او صد ابراہیمؑ سوخت
تا چراغ یک محمدؐ برفروخت

رحمت للعالمین ﷺ کی تعلیم کے امتیازات

ہر گزشتہ نبی کی تعلیم (اور ایک نبی کی تعلیم دراصل کلیتاً اس کی اپنی عملی زندگی کی مثال کے اندر ہوتی ہے اور اس کے نظریات یا اقوال میں نہیں ہوتی) صحیح تصور حقیقت یعنی خدا کے تصور پر مبنی تھی لیکن رحمت للعالمین کے علاوہ کسی نبی کو ایسے تمدنی حالات پیش نہیں آئے کہ وہ اپنی زندگی کی

مثال سے یہ بتائے کہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں میں خدا کے عقیدہ کے لوازمات اور تقاضے کیا ہیں اور کس طرح سے خدا کا عقیدہ ان شعبوں پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے ہر نبی کو جن سماجی حالات میں رہنا یا جن واقعات کا سامنا کرنا پڑا وہ اس قسم کے تھے کہ ان کے پیش نظر ایک نبی ہونے کی وجہ سے اسے جو معرفت حق تعالیٰ عطا ہوئی اس کا بہت تھوڑا حصہ اس کی عملی زندگی کے نمونہ میں اپنا اظہار پا سکا۔ ہر نبی اپنی عملی زندگی کی مثال کی روشنی سے انسان کی قدرتی عملی زندگی کے ان پہلوؤں کا رشتہ خدا کے عقیدہ سے واضح کر سکتا تھا جو اس کی قوم کے تمدنی اور اخلاقی حالات کی بنا پر اس کی توجہ چاہتے تھے اور وہ مجبور تھا کہ انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا جو ابھی اس کی قوم کے حالات میں رونما نہیں ہوئے تھے اور جن کے بارہ میں ان کو فی الحال خدا کی راہ نمائی کی ضرورت نہ تھی۔ اس طرح سے ہر گزشتہ نبی خدا کے تصور کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے صرف ایک حصہ پر ہی چسپاں کر سکا۔ یہی سبب ہے کہ ماضی کے ہر نبی کے نظریہ حیات نے صرف اس کی قوم کو یا اس کے عہد کو ہی مستفید کیا اور ان کے بعد زیادہ دیر تک اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکا بلکہ ان کتابوں کے اندر بھی جو ان انبیاء پر نازل ہوئی تھیں کچھ عرصہ کے بعد ایسا مواد داخل کر دیا گیا جو نہ تو خدا کا قول تھا نہ نبی کا۔ ان نظریات کی وقتی یا جزوی حیثیت نہ صرف ان کی سرشت سے آشکار ہے بلکہ خود ان کے بانیوں کے ارشادات سے بھی واضح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ ایک نا تمام نبوتی نظریہ حیات ایک مستقل اور عالمگیر نظریہ حیات نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس غرض کے لئے وجود میں آتا ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی خاص قوم کو ارتقائے انسانیت کے ایک خاص مرحلہ کے اندر کام دے سکے اور آئندہ کے نظریاتی ارتقا کی ایک منزل قرار پائے۔ اس کا غیر مکمل ہونا اس کے لئے ناممکن بنا دیتا ہے کہ ایک محدود عرصہ کے بعد اپنی زندگی قائم رکھ سکے۔

نبی کامل رحمت للعالمین جناب محمد ﷺ کے بارے میں یہ بات درست نہیں کیونکہ ان کو فرستادہ حق کی حیثیت سے جن اخلاقی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی، قانونی، سیاسی، جنگی اور جغرافیائی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی وجہ سے وہ اپنی عملی زندگی کی مثال سے یہ بات واضح کر سکے کہ فرد اور جماعت کی قدرتی عملی زندگی کے اہم شعبوں پر خدا کا عقیدہ کیونکر چسپاں کیا جا سکتا ہے بالخصوص

رحمت للعالمین محمد ﷺ کے علاوہ اور کسی نبی کی عملی زندگی کے نمونہ میں ہمیں انسانی زندگی کے جنگی، قانونی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں کے متعلق (جو یقیناً انسان کی زندگی کے نہایت ہی اہم پہلو ہیں) ضروری راہنمائی نہیں ملتی۔ محمد ﷺ نے متاہل زندگی بسر کی۔ اپنے ساتھیوں کو تیار کیا کہ ان لوگوں کی مخالفت کا مقابلہ کریں جو ان کے پیغام کو مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ خدا پرستوں کی ایک ریاست قائم کی۔ اس کا انتظام کیا اور فوجی کاروائیاں کر کے دشمنوں سے اس کی حفاظت کی، اس کے اندرونی اور بیرونی مسائل کو حل کیا اور اس کے سیاسی، قانونی، سماجی، اقتصادی، تعلیمی، اطلاعاتی اور تبلیغی نظامات قائم کئے اور اس کی ایک خارجہ پالیسی وضع کی۔ ہر نظریاتی جماعت کو اپنے نصب العین کی جستجو کے عمل میں اپنی ترقی اور توسیع کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور وہ نظریاتی جماعت جو خدا کے صحیح اور مکمل تصور پر مبنی ہو اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں۔ محمد ﷺ سے پہلے کسی نبی نے اپنی عملی زندگی کی مثال سے اس قدرتی جدوجہد کا نمونہ پیش نہیں کیا جس میں سے مستقبل کی نوع انسانی کو خدا کے تصور پر مبنی ایک ریاست کی صورت میں منظّم ہونے، قائم رہنے اور ترقی کرنے اور اس طرح سے عالم انسانی کے ارتقاء کو جاری رکھنے کے لئے لازماً گزرنا ہے اس جدوجہد کا نہایت ہی قیمتی اور روشنی اور ہدایت بخشنے والا نمونہ پہلی دفعہ حضرت محمد ﷺ کی عملی زندگی نے مہیا کیا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضور رحمت للعالمین ہیں۔

اجتہاد کی حقیقت

جب کوئی نظریہ حیات اسلام کی طرح خدا کے کامل اور صحیح تصور پر مبنی ہو اور خدا کے ایسے تصور کو انسانی قدرتی زندگی کے تمام اہم شعبوں (مثلاً اخلاق، سیاست، معاشیات، قانون، جنگ وغیرہ) پر چسپاں کرتا ہو تو اس کی زندگی یا ترقی کے امکانات کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ گو بعض وقت یہ محسوس کیا جائے کہ اس نظریہ حیات میں انسانی زندگی کے ان شعبوں کے متعلق جو ہدایت ملتی ہے وہ ضروری حد تک مفصل نہیں پھر بھی اس کی زندگی قائم رہتی ہے اور ایک تندرست جسم حیوانی کی طرح جو اپنے جسم کے نسبتاً غیر ضروری حصوں میں کٹے ہوئے گوشت کو اعضائے رئیسہ کی صحت اور درستی عمل کی وجہ سے دوبارہ پیدا کر لیتا ہے، ایسا نظریہ حیات بھی ہدایت کی مطلوبہ تفصیلات کو اپنے اندر سے پیدا کر لیتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں مطلوبہ تصورات کی اس تخلیق کو

اجتہاد کہا جاتا ہے۔

اسلام کی پائیداری کا سبب

چونکہ رحمت للعالمین ﷺ کا عطا کیا ہوا نظریہ حیات خدا کے صحیح اور کامل تصور کو انسانی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کرتا ہے اور لہٰذا نہ صرف اندرونی روح کے لحاظ سے بلکہ بیرونی صورت کے لحاظ سے بھی مکمل ہے اس لئے اسلام نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ تمام نظریات پر غالب آئے گا اور دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت بعض مخالف حالات اس کو مسلمانوں کی عملی زندگی کے کسی پہلو سے خارج کر دیں تو یہ جبراً پھر ان کی زندگی کے اس پہلو میں داخل ہو کر اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جس طرح سے ایک مکمل طور پر صحت مند جسم حیوانی مرض کے خلاف ردعمل کرتا ہے اور اپنی گرتی ہوئی صحت کو بحال کر لیتا ہے اس طرح سے اسلام ہر اس غیر اسلامی تحریک کے خلاف جو اس کے اندر نمودار ہو کر اس کو مغلوب کرنا چاہتی ہے نہایت ہی قوت اور کامیابی کے ساتھ ردعمل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ تحریک مٹ جاتی ہے اور اسلام اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جاتا ہے کئی صدیوں کے اندر پے بہ پے آنے والے شدید قسم کے حادثات کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کا موجود رہنا بے معنی نہیں بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام مٹنے کے لئے نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے اقبال اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

؎ کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری　　صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

نظریاتی ارتقا کی شاہراہ

نظریاتی ارتقا کا وہ راستہ جو پہلے نبی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے براہ راست رحمت للعالمین ﷺ تک جاتا ہے نظریاتی ارتقا کی شاہراہ ہے جس پر ارتقا براہ راست خالق کائنات کے مقصد کے مطابق ہوتا رہا ہے اس شاہراہ کی ہر منزل پر نبوتی نظریہ حیات کی ایک نئی ترقی یافتہ صورت اس کو ماننے والی ایک امت کے سمیت ایک نظریاتی تقلیب کے ذریعے سے نمودار ہوتی رہی تاہم اس شاہراہ کی مختلف منزلوں سے نظریاتی ارتقا کے غلط راستے بھی نکلتے رہے جن پر غلط

نظریات حیات اوران کو ماننے والی غلط قسم کی نظریاتی جماعتیں پیدا ہوتی رہیں ان راستوں پر ایک غلط نظریہ سے دوسرا بہتر لیکن غلط نظریہ نکلتا رہا اور اس طرح سے ان پر بھی ارتقا جاری رہا لیکن تھوڑی دور آگے جا کر ختم ہو گیا۔ ارتقا کی شاہراہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ان راستوں میں سے کوئی راستہ بھی ارتقا کی منزل مقصود تک پہنچ سکے گا بلکہ ان راستوں پر ہر منزل نظریاتی ارتقا کی منزل مقصود سے اور دور ہو گئی۔ نظریاتی ارتقا کی ان گمراہیوں کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء کی اُمتوں میں بعض ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جن کو غلط قسم کا تعلیمی ماحول میسر آیا جس کی وجہ سے نظریاتی تکمیل کے دباؤ نے جو ان کے اندر کام کر رہا تھا ان کی نظریاتی نشو ونما کو غلط راستہ پر ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر غلط نظریہ حیات کو پیش کرنے والا انسان اپنے غلط نظریہ کے کچھ عناصر صحیح نبوتی نظریہ سے لیتا ہے اور اس میں کچھ غلط عناصر کی ملاوٹ کر کے ایک نیا نظریہ پیش کرتا ہے جو حق و باطل کی آمیزش کی وجہ سے کلیتًا باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر غلط نظریہ حیات تعلیم نبوت کا خوشہ چین ہے اور اپنی کامیابی کے لئے اس کے اجزاء عناصر کا مرہون منت ہے۔ اگر وہ باطل کے ساتھ حق کی آمیزش نہ کرے تو اس کے اندر کوئی کشش باقی نہ رہے۔ لیکن حق و باطل کی آمیزش کی وجہ سے وہ کلیتًا باطل ہو کر رہ جاتا ہے لہٰذا نا قبول ہوتا ہے۔

شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول　　　باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے

اُمت مسلمہ کا عالمگیر غلبہ......ارتقا کی ایک ضرورت ہے

ارتقا کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ جب ایک مکمل جسم حیوانی یا انسان ظہور پذیر ہو جائے تو اس کی اولاد متواتر ترقی کرتی اور بڑھتی رہے یہاں تک کہ زمین کو بھر دے اور اس کے بعد تا قیامت موجود رہے۔ اسی طرح سے ارتقا کے مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ جب ایک مکمل نبی یا رحمت للعالمین ﷺ ظہور پذیر ہو جائے تو اس کی روحانی اولاد یا اُمت متواتر بڑھتی اور پھیلتی رہے۔ یہاں تک کہ زمین کو بھر دے اور اس کے بعد تا قیامت موجود رہے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال بار بار اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ تکمیل انسانیت کے قدرتی عمل میں رحمت للعالمین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود ایک مرکزی مقام رکھتا ہے۔ انسانیت کی تکمیل حضور کے نمونہ کے مطابق اور حضور کی اُمت کے ذریعہ سے ہو گی۔ عالمی ارتقا کے نا قابل مزاحمت اور نا قابل انسداد

عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضور کی اُمت دنیا میں پھیل جائے گی اور باقی رہے گی اور اس کے علاوہ دوسری تمام قومیں مٹ کر اس کی دائمی زندگی اور عظمت کیلئے راستہ ہموار کریں گی۔ یہ بات کبھی کبھی وہ دبی زبان سے اور لطیف اور بلیغ اشاروں میں کہتا ہے جس سے اس کی بات بہت زیادہ موثر اور زوردار ہوجاتی ہے۔ مثلاً آئندہ زمانہ میں اسلام کی عالمگیر اشاعت اور قبولیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اس واقعہ کا علم کسی کو نہیں لیکن وہ اسے صاف طور پر دیکھ رہا ہے۔

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے — عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے
کس کو معلوم ہے ہنگامہ فردا کا مقام — مسجد و مکتب و میخانے ہیں مدت سے خموش
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا
عروج آدم خاکی کے منظر ہیں تمام — یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک
عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا جو جائے گی

تاریخ کے مختلف انقلابات اور ان کی پیش رو علامات کا ذکر کرنے کے بعد اقبال مستقبل کے عالمی اسلامی انقلاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

روحِ مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب — راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا — گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اُٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے — لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

پھر اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ مستقبل کا انسان جو بندہ مؤمن اور رحمت للعالمین ﷺ کا اُمتی ہوگا رات اور دن سے صورت پذیر ہونے والے وقت کے سیاہ اور سفید گھوڑے پر سوار ہوکر چلا آرہا ہے۔ وقت ہی طرح اس کی آمد کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خدا کرے کہ وہ جلد آئے اور ہماری آنکھوں میں آباد ہو۔ کیونکہ وہی ہے جو آکر اقوام عالم کو امن و اتحاد کی نعمتوں سے ہمکنار کرے گا۔

اس کی آمد سے پہلے مکمل اور مستقل عالمی امن اور اتحاد کا ظہور ناممکن ہے۔ وہی دیدہ امکان کا نور ہے کیونکہ وہی تخلیق کائنات کا اصل مقصود ہے۔ نوع انسان بے خدائیت کی خزاں سے چمن کائنات اجڑ گیا ہے۔ وہ آئے گا تو اس چمن میں بہار آئے گی

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا　　اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو　　در سوادِ دیدہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن　　نغمۂ خود را بہشت گوش کن
ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر　　چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر
نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی　　کاروانِ زندگی را منزلی

جب مستقبل کا یہ انسان آئے گا تو اقبال بھی اپنے مقام کو پائے گا کیونکہ پھر دنیا میں ایسے لوگ موجود ہو جائیں گے جو اس کی عظمت کے مقام کو پہچان سکیں گے اور اس کی قدر دانی کر سکیں گے۔ اقبال اس انسان کا منتظر ہے۔

انتظارِ صبح خیزاں مے کشم　　اے خوشا زر تشتیانِ آتشم
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم　　من نوائے شاعرِ فرداستم
عصر من دانندۂ اسرار نیست　　یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست
نا اُمید استم ز یارانِ قدیم　　طورِ من سوزد کہ مے آید کلیم
نغمۂ من از جہانِ دیگر است　　ایں جرس را کاروانِ دیگر است

(جاری ہے)

صہیونیت(ZIONISM)

باب سوم(I)

صہیونیت کی قتل انبیاء کرام علیہم السلام کی روش اور انکار ختم نبوت

انجینئر مختار فاروقی

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ خدا بیزاری، قتل انبیاء علیہم السلام اور اخلاق عالیہ سے تہی دامانی کا بدنما داغ تاریخ میں ان لوگوں کے ماتھے پر لگا جو آج کی صہیونیت کے بانی (FOUNDERS) اور آج کی قوم یہود کے آباؤ اجداد تھے۔ مزید افسوس اس بات پر ہے کہ اکیسویں صدی کے یہودی اپنی تاریخ کے ان انسان دشمن، دین دشمن اور بدکرداری کے نظریات کے حامل آباؤ اجداد سے اظہار لاتعلقی کرنے کو تیار نہیں بلکہ عالمی تاریخ کے بہاؤ کو اپنے ہی خاص برخود غلط رخ پر لے جانے پر مصر ہیں۔

بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے جرائم میں سے قتل انبیاء کا جرم ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ صرف یہی جرم ہی اس گروہ کے انسان دشمن رویّوں پر حرفِ آخر کے حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم 1000 ق م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اور ان کے بعد کی بھی چھ صدیاں ــــــــــــ تاریخ انسانی کا ایسا دور ہے کہ اس کی تفصیلات آج میسر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے کہ تاریخ انسانی کے خاص اس مرحلہ پر بنی اسرائیل ہی کا یہ گروہ مؤثر تھا اس نے اپنے جرائم کے ثبوت تاریخ میں مٹا دیے، پھر آسمانی ہدایت اور آسمانی صحیفے ان کے جرائم سے پردہ اٹھا سکتے تھے وہ سارے صحیفے اس ابلیسی گروہ نے غائب کر دیے۔ تورات، زبور، انجیل کے علاوہ صحف انبیاء کا آج سراغ بھی نہیں ملتا۔ نہ صرف یہ بلکہ ــــــــــــ اس گروہ نے ان کتابوں کے ہم نام کتابیں اور صحیفے خود تصنیف کر کے

پھیلا دیے ہیں اور انسانیت کو یہ باور کراتے انہیں شرم نہیں آتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں کے نام پر ان کتابوں اور صحیفوں میں جو آج عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے نام سے ملتے ہیں' انبیاء کرام علیہم السلام کا ایسا گھناؤنا کردار پیش کیا گیا ہے کہ الامان.....الحفیظ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس گروہ کے اسی ابلیسی اور انسان دشمنی کردار پر یوں تبصرہ کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ O

''تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں'' (02-79)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ O كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ O تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ O

''جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد (علیہ السلام) اور عیسٰی بن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے برا ہے (وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔'' (المائدۃ۔ 78-80)

ان حالات اور اس پس منظر میں اس ابلیسی گروہ کی قتل انبیاء کی روش پر کما حقہٗ روشنی نہیں ڈالی جاسکتی کہ تفصیلات ناپید ہے۔ بنی اسرائیل کے اس خاص کردار کو سمجھنے کے لئے اس بات کی اہمیت مزید ابھر کر سامنے آتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر اس گروہ نے کیا رویہ

اختیار کیا ہے اور دنیا کی واحد کتاب (جو آسمانی بھی ہے اور آخری ہدایت بھی) قرآن مجید نے کیا تبصرے کیے ہیں۔ لہٰذا ــــــــــ اس مقام پر حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے وفات تک 610ء سے 632ء تک کے عرصے میں یہود کے کردار کو قرآن مجید کی آیات اور تبصروں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس گھناؤنے کردار کے شیطانی گروہ کے خدوخال واضح ہوسکیں۔

(ا) (I) حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مکی دور مسعود

(II) حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا ہجرت مدینہ کے بعد کا دور مبارک

(III) قتل انبیاء اور انکار ختم نبوت

(IV) جھوٹے انبیاء کا منصوبہ اور اس کی تربیت

(ب) 632ء سے 2010ء تک کے اہم واقعات کا مختصر تذکرہ

حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل صہیونی کردار کی کارستانیاں

جزیرہ نمائے عرب جغرافیائی لحاظ سے کئی ملکوں پر مشتمل ہے۔ جنوبی حصے میں یمن (شمالی اور جنوبی) عمان بحرین مسقط وغیرہ کے علاقے ہیں۔ حجاز کا علاقہ پہاڑی اور صحرائی ہے۔ بحیرۂ قلزم کے ساتھ مغربی علاقہ خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے مدینۃ النبیؐ کے جنوبی اور مغربی علاقے بھی پہاڑی ہیں مدینۃ النبیؐ کے پاس زرعی رقبے تھے۔ یہود کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کئی صدیوں سے یہاں آباد تھے۔ خلیج فارس کا ساحلی علاقہ آج تو متحدہ امارات کی ریاستوں پر مشتمل ہے۔ تاہم زمانہ قدیم سے یہاں آبادی چلی آرہی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں عراق سے ملحقہ علاقے ہیں جہاں آج کل کویت کی ریاست ہے اسی کے قریب شہر ریاض ہے جہاں بہت سے قدیم عرب قبائل آباد تھے اور آج بھی ہیں۔ پھر یہ علاقہ اردن سے ملتا ہے جہاں کبھی پیٹرا (PETRA) تہذیب تھی جس کا مرکز مدائن صالح تھے اس شہر کے کھنڈرات مدینۃ النبیؐ سے 150 کلومیٹر کے قریب شمال کی طرف ہیں۔ یہیں سے شمال کو راستہ جاتا ہے سفر تبوک میں رسول اللہ ﷺ اسی راستے سے گزرے تھے اور عرب تاجر بھی اس شاہراہ سے سفر کرتے تھے۔ عرب میں قدیم زمانہ سے 'ربع الخالی' کے نام سے علاقہ ہے جو صحرا ہے اور بے آباد ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے زمانہ مبارک میں یمن میں یہودی حکومت کی باقیات تھیں اور مصر،

سوڈان حبشہ ایتھوپیا وغیرہ کی عیسائی حکومت کے زیر اثر عیسائی حکومت تھی جو بڑی مستحکم تھی۔ نجران کا علاقہ اسی میں تھا جہاں سے ایک وفد (ہجرت کے بعد) نبی اکرم ﷺ سے ملنے حاضر ہوا تھا۔ عرب میں طائف ایک خوشگوار پہاڑی مقام تھا دوسرا خوشگوار مقام شمال میں دومۃ الجندل تھا مدینہ کے قریب خیبر میں زراعت کے لئے رقبے تھے اور موسم بھی زراعت کے لیے مناسب۔

عرب کے اس پس منظر میں مکہ کے تمام عرب قبائل بشمول قریش کے اہل کتاب سے رابطے رکھتے تھے۔ یثرب کے یہودی قبائل سے مکے کے سردار اور تاجر ضرورت کے وقت سودی قرضے حاصل کرتے تھے۔ مکے کے تاجر اور قریش کے اکابر یمن میں عدن کی بندرگاہ تک آتے جاتے تھے اور شمال کی طرف ملک شام میں فلسطین، یروشلم، دمشق تک سفر کرتے تھے جبکہ مشرق میں بحرین تک تجارتی میلوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ سے سرداران قریش کے ان رابطوں کی وجہ سے اہل عرب یہود و نصاریٰ کے مذہب اور ان کے اختلافات بھی جانتے تھے۔ عام الفیل میں عیسائی دہشت گرد بادشاہ ابرہہ کے مکۃ المکرّمہ پر حملے کی وجہ سے عیسائیوں سے روابط پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مزید برآں بحیرۂ قلزم کے اس پار (یہاں سمندر صرف 100..... 120 کلومیٹر چوڑا ہے) حبشہ میں عیسائی حکومت اور بادشاہ نجاشی کے روابط بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مکہ کے بعض اہم لوگ عیسائی مذہب اختیار کر کے عیسائی بھی ہو گئے تھے جیسے ورقہ بن نوفل۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مکی دورِ مسعود

01۔ 610ء میں محمد ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوئی تو آپ اپنے کاروبار سے وقت نکال کر غارِ حرا چلے جاتے تھے۔ آپ کا دل آہستہ آہستہ کاروبار سے اُچاٹ ہوتا چلا گیا اور غار حرا میں تخلیہ و تنہائی میں غور و فکر کا معاملہ اہمیت اختیار کر گیا۔ یہیں غار حرا میں آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لائے اور یوں آپ کی نبوت کا اظہار ہو گیا۔

02۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی 'وحی' اور ہدایات کو دوسروں تک پہنچایا اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے۔

03۔ قرآن مجید کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں سورۃ الفاتحہ بہت اہم ہے۔ اسی میں بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا راستہ غلط ہے ایک

مغضوب ہے یعنی یہود تو دوسرا 'ضالّ' ہے یعنی نصرانی

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ (01--6-7)

''(اے پروردگا) ہم کو سیدھے رستہ پر چلا، ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا ہے' نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور گمراہوں کے۔''

04۔ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے چھ دفعہ قصہ آدم علیہ السلام وابلیس بیان فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور مسجود ملائک بن جانے سے انسانی عظمت اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا اعلیٰ وارفع مقام چھٹ کر سامنے آ گیا، ابلیس سے یہ بات برداشت نہیں ہو سکی اس نے انسان (آدم علیہ السلام) کو سجدہ نہ کر کے عظمت انسانی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بارگاہ خداوندی سے دھتکارے جانے کے باوجود اپنی ضد اور جھوٹی انا پر اڑا رہا یہاں تک کہ قیامت تک کے انسانوں کی گمراہی کا بیڑا اٹھالیا۔ مگر ــــــــــ اعتراف گناہ کر کے توبہ نہیں کی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کی طرح اسے بھی معافی کا پروانہ مل سکتا تھا۔ مفسرین قرآن نے اکثر اس واقعہ میں پنہاں اخلاقی سبق کو حضرت محمد ﷺ اور یہود کے کردار پر محمول کیا ہے کہ یہود حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان کی عظمت کا اعتراف نہیں کر رہے تھے پہلے بھی بنی اسرائیل سے غلطیاں ہوئی تھیں تاہم نبی آخر الزمان ﷺ کی تشریف آوری سے جو موقع انہیں ملا ہے انہیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور شیطان لعین کا کردار نہیں اپنانا چاہیے کہ کہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دھتکارے جائیں۔

05۔ مکی دور میں یہود نے حضرت محمد ﷺ سے امتحانی انداز میں بہت سے سوال کر دیے۔ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے خود آ کر یہ سوال سامنے نہیں رکھے بلکہ آج کی اصطلاح میں PROXY QUESTIONS کیے ہیں۔ سرداران قریش کو سمجھا کر بھیجا گیا انہوں نے سوال کیے۔ مقصود یہ تھا کہ اگر ان سوالوں کا صحیح جواب آ گیا تو سمجھیں گے کہ آپ اللہ کے نبی (علیہ السلام) ہیں اور اگر ان کی اپنی تاریخ کے مطابق جواب صحیح نہ ہوئے تو یہ نتیجہ اخذ کر لیں گے آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں نازل ہوتی بلکہ خود تجربہ اور سوچ کے مطابق جواب (معاذ اللہ) دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا وطن فلسطین تھا حضرت اسحاق علیہ السلام کو ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے یہیں آباد کیا تھا یہیں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ مگر قرآن مجید کہتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں فرعون کے غلام تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپؑ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرا کے واپس فلسطین کے لئے نکلے۔ سوال یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل فلسطین سے مصر کب، کیوں اور کیسے منتقل ہوئے۔ یہ سوال خالصتاً تاریخ بنی اسرائیل کا ہے، مکہ کے قریش کا اس سے واسطہ نہیں تھا تاہم یہ سوال ہوا اس کا جواب بذریعہ وحی آ گیا..... پوری سورۂ یوسف اُتری اور سو فیصد صحت کے ساتھ واقعات سامنے آ گئے۔ اب وہ خاموش تھے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پر وحی آتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کے لئے دُعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مانگی تھی اور جن کی بشارت دی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے۔

دوسرا سوال ''روح'' سے متعلق تھا سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا دوٹوک جواب دے دیا گیا۔ تیسرا سوال ''ذوالقرنین'' سے متعلق تھا کہ وہ کون تھا اس کی وضاحت بھی سورۂ کہف میں نازل ہوئی۔ بنی اسرائیل کے اس گروہ کے لوگوں کے لئے پیغام (MESSAGE) یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں لہٰذا انہیں آپ پر ایمان لے آنا چاہئے مگر افسوس صد افسوس کہ یہود ٹس سے مس نہ ہوئے۔

06 قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا بھی تذکرہ آ گیا۔ ان کی تاریخ کے دو ایسے ادوار کا ذکر ہے جس میں انہیں عروج ملا اور دو ہی دفعہ زوال سے دوچار ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور بادشاہت کا دور ــــــــــ جو ایک صدی پر محیط ہے اور انسانی تاریخ میں ایک ممتاز دور ہے۔ دوسرا دور نمرود بادشاہ کی غلامی سے نجات کے بعد بیت المقدس کی دوبارہ آبادکاری سے شروع ہوا اور بالآخر ایک شاندار سلطنت وجود میں آ گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہیکل (بیت المقدس) تعمیر کیا تھا اور جسے نمرود بادشاہ بخت نصر نے 567 ق م میں حملہ کر کے گرا دیا تھا دوبارہ تعمیر کر لیا گیا۔ مگر ــــــــــ پہلے عروج کی طرح اس دوسرے عروج میں بھی بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو گئے اور دوبارہ زوال کا شکار ہوئے سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں ان حقائق کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَاہُ ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ

وَكِيلًا O ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شكورًاO وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًاO فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا O ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًاO اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًاO (17-2)

''اور دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو سوار کرایا ہم نے نوح کے ساتھ، بے شک وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ، بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لیے۔ پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا، بھیجے اور بندے کہ اداس کر دیں تمہارے چہرے اور گھس جائیں بیت المقدس میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔

پھر بنی اسرائیل قوم یہود کو راہِ راست پر آنے اور سابقہ روش کو ترک کر دینے کی دعوت ہے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًاO (17-8)

''امید ہے کہ تمھارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔

پھر الکتاب اور الہدیٰ قرآن مجید پر ایمان لانے والے اور حضرت محمد ﷺ سے وفاداری کی دعوت ہے۔

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا O وَ اَنَّ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًاO (10-9,17)

''یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مؤمنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کیلئے اجرِ عظیم ہے اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

07۔ حضرت محمد ﷺ بنی اسرائیل کو دعوت حق دے رہے تھے مگر ان کی اکثریت صہیونی عزائم کی حامل تھی اور ان کے منصوبے حضرت محمد ﷺ کو ایذا رسانی اور ناکام کرنے کے تھے۔ یہود متمدن دنیا کے تمام اہم مراکز میں موجود تھے اور خدا بیزاری و دین دشمنی (سیکولرازم) کے نظریات کے حامل بن چکے تھے وہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے نہیں تھے بلکہ بظاہر آپ کی تعلیمات میں دلچسپی اور سوالات کی آڑ میں کسی بڑی کاروائی کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کے سبب دنیا کی ابتر حالت کا علم تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ O (30-41)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں''

قرآن نے انہیں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں کے انجام سے ڈرایا ہے اور دین قیم......اسلام کے دامن میں پناہ لینے کی دعوت دی تھی:

فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَO (30-43)

''اس روز سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آ کر رہے گا اور رک نہیں سکے دین (کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے چلو، اس روز (سب) منتشر ہو جائیں گے''

اور رسالت محمدی کے ممکنہ انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ کا تذکرہ ساتھ ہی کر دیا تھا جس

کا یہود خود بھی دو مرتبہ مزہ چکھ چکے تھے:

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا وَ كَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ O (30-47)

''اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے ان سے بدلہ لے کر چھوڑا اور مؤمنوں کی مدد ہم پر لازم تھی''

08۔ مکی دور کے آخری تین سالوں میں مشیت الٰہی (DIVINE INTERVENTION) سامنے آئی، حالات نے کروٹ لی۔ مکہ میں یثرب سے آئے ہوئے حجاج میں سے چھ افراد نے یہود کی زبانی حضرت محمد ﷺ نبی آخرالزمان کے شاندار تذکروں کے پس منظر میں پہلی ہی دعوت پر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اگلے سال 12 نبویؐ میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو کچھ اور افراد نے اسلام قبول کر لیا پھر اُنہوں نے یثرب میں ایک معلّم قرآن کے لئے درخواست کی تو دو خوش نصیب افراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام سامنے آئے اور آپ ﷺ نے انہیں یثرب روانہ فرمایا۔ 13 نبویؐ کے حج میں ایک سال بعد 75 افراد نے آ کر اسلام قبول کر لیا اور حضرت محمد ﷺ کو مدینہ قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر خود بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور سے ہوتے ہوئے یثرب ہجرت فرمائی۔ یثرب آپ کی تشریف آوری پر 'مدینۃ النبی ﷺ' بن گیا۔

09۔ ہجرت سے تھوڑا عرصہ قبل کی سورتوں میں سے سورۃ الاعراف بھی ہے اس سورۃ میں قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس لعین بیان ہوا ہے اور بڑی تفصیل سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی کا تذکرہ ہے پھر انسان کے اندر روحِ انسانی کے نوری وجود کو نمایاں کرنے کے لیے حیوانوں کے برعکس ستر پوشی اور لباس کا تذکرہ ہے۔ یوں تو ہر انسان کے اندر ایک حیوان موجود ہے اور انسان کے تمام جسمانی تقاضے حیوانوں سے مشابہ ہیں مگر قرآن مجید کے نزدیک (اور تمام آسمانی تعلیمات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے نزدیک) انسان فقط حیوان نہیں ہے اور نہ حیوان کے برابر ہے' بہت سارے پہلوؤں سے انسان حیوان سے ممتاز اور ممیّز ہے۔ انسان میں خالق کی معرفت عقل،

اخلاقی حسّ، ضمیر اور لباس، انسان کو حیوان سے ممیّز کرنے کے لئے ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشتہ و از حیوان

انسان روح کی وجہ سے فرشتوں جیسا یا ان سے بھی افضل ہے اور دوسری طرف روح اور روحانی تقاضے بھلا بیٹھے تو حیوان محض یا حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

ابلیس کا سورۂ اعراف میں تذکرہ ہے تو وہیں اسی کی زبانی یہ تذکرہ بھی کہ شیطان انسان کو بے لباس کرنا چاہتا ہے اور اسی بے لباسی سے ہی انسان پہلے قدم پر ہی حیوان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ بے حیائی، اخلاقی حسّ سے تہی دامنی، خدا فراموشی اور خدا بیزاری سارے عوارض اسی شر سے جہنم لیتے ہیں یہی سیکولرازم اور روشن خیالی کی شاہراہ ہے، (ابلیس) شیطان یہیں مورچہ لگاتا ہے اور ڈیرہ ڈالتا ہے اور انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوانیت یا اس سے بھی بدتر سطح اسفل السافلین تک گرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ چیلنج دیا تھا کہ

فَبِمَا اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ عَلٰی صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (7-17)

''مجھے تو تُو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے رستے پر (ان کو گمراہ کرنے) کے لئے بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تُو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا''

10۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں جو مقام ابلیس کو ملا وہی کام نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں حسد کی بنیاد پر یہود نے کر دکھایا اور ابلیس کی طرح دھتکارے گئے اور آج بھی انسانیت اور نسل انسانی کے حوالے سے یہی ابلیس کی ذریت صلبی و معنوی انسان کو ترقی، آرٹ فن، کھیل کود، تفریح (ENTERTAINMENT) کے نام سے بے لباس کرنے پر تلا ہوا ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے۔ چنانچہ آج کا میڈیا، کیبل نیٹ ورک، کمپیوٹر وغیرہ پر مغرب کی ترقی پسندی

کے حوالے سے بے حیائی کا سیلاب ہے جو دنیا بھر کے انسانوں کو بالعموم اور حضرت محمد ﷺ کی اُمت کو بالخصوص اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور یہ عالم اسباب میں صرف یہود یعنی صہیونیت کی کارستانی ہے۔

آج کے اس الیکٹرانک میڈیا پر کمپیوٹر اور کیبل کے ذریعے بے حیائی کے فروغ کا سارا کاروبار (فلمی دنیا سمیت) یہود کے کنٹرول اور قبضے میں ہے گویا ابلیس نے جو چیلنج آدم علیہ السلام کو دیا تھا اولاد آدم اور نسل انسانی آج اس چیلنج سے نبرد آزما ہے اور اس کی زد میں ہے اور شیطان کے نمائندہ کے طور پر آج یہود اور صہیونیت کے کرتا دھرتا دنیا میں موجود ہیں اور ابلیس کے فرنٹ مین اور آلہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صہیونیت کا کردار شیطانی اور ابلیسی ہے اور اس کا مزاج اسی قدیم بے لباسی کے چیلنج کا آئینہ دار ہے۔ یہ بات مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الاعراف میں سامنے رکھ دی تھی وہیں پر اہل ایمان کیلئے ابلیسی حربوں سے بطور ڈھال .....کیا چیز ہوسکتی ہے اس کا بھی تذکرہ ہے فرمایا: وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ (07-26)''اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے بہتر ہے''۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن مجید نے ابلیسی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے بچاؤ اور حیوانیت سے ممیّز رکھنے کے لئے رشتوں کی تمیز اور محرمات ابدی کا اعلان کیا ہے اور مزید یہ کہ مرد اور عورت کے لئے ستر اور پردہ کے احکام اتارے گئے ہیں تاکہ انسان اپنے انسانی شرف کو ابلیس اور اس کی ذرّیت معنوی و صلبی کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکے۔

11۔ قرآن نے آج سے چودہ صدیاں پہلے بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ (صہیونیت) کے کردار کو ابلیس کے کردار سے مشابہ قرار دیا تھا آج دنیا صہیونیت کے اس گھناؤنے کردار کو بچشم سر دیکھ رہی ہے اور صہیونیت کی رہنمائی میں مغرب اور تمام ترقی یافتہ قومیں بے لباسی، بے حیائی اور حیوانیت میں اس قدر آگے جا چکی ہیں کہ 1998ء میں امریکہ سے چھپنے والی کتاب SLOUCHING TOWARDS GAMMORA اس میں گواہ کافی ہے۔ امریکی اعلیٰ ترین عدالت کا ایک ریٹائرڈ جج ROBERT H BORK اس کا منصف ہے اور کتاب کا مضمون (THEME) اس کتاب کے اوپر دیے گئے عنوان سے واضح ہے اور وہ مفہوم یہ ہے کہ امریکی (اور تمام جدید ترقی یافتہ معاشرے) اخلاقی بے راہ روی (LIBERALISM) کی وجہ سے قوم لوط (علیہ السلام) کے عمل میں مبتلا ہو کر اس قدر آگے جا چکے ہیں کہ ان پر بھی وہی عذاب آیا

چاہتا ہے۔ SLOUCHING کے معنی ہے تیزی سے ڈھلوان کی طرف لڑھکنا یا لپکنا اور GAMMORA قوم لوط (علیہ السلام) کی بستیوں سدوم اور عامورہ میں سے عامورہ کا انگریزی نام ہے۔ گویا کتاب کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ (امریکی معاشرہ) قوم (لوط کے سے انجام کا مستحق ہوکر ایک جدید) عامورہ کی طرف تیزی سے لڑھک رہا ہے۔ الامان الحفیظ واعادنا اللہ من ذالک۔

12۔ یثرب میں آباد یہود کے تین قبائل کی اکثریت اسی صہیونی ذہنیت کی حامل تھی اور وہ حضرت محمد ﷺ پر کیے گئے سوالات کے درست جوابات پا کر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے اگر وہ مخلص ہوتے تو......سورۂ یوسف اور سورۂ کہف کے نازل ہونے ہر تو ضرور مکّے جا کر ایمان لے آتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا بلکہ ان کا کردار انبیاء کرام علیہم السلام دشمنی کی سابقہ روش کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کی بھی دشمنی کی روش کی چغلی کھا رہا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے سفر کے اختتام پر قبا پہنچے تو اس دن کافی دیر ہوگئی تھی اور مدینے کے مسلمان کئی دنوں کے معمول کے مطابق انتظار کر کے واپس چلے گئے تھے (کہ جن مسافروں کو آنا ہوتا ہے وہ اس وقت تک اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں) کہ ایک یہودی اپنے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا کہ اُسے کچھ سوار آتے نظر آئے تو اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے پیغمبر (ﷺ) آ گئے ہیں۔ ان اطلاعاتی الفاظ میں روکھا پن یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ پہچاننے کے باوجود بطور ایک پیغمبر کا کوئی ادب واحترام کرنے سے گریزاں تھے اور یہ ان کا ایک طے شدہ پالیسی معاملہ (ISSUE) تھا۔ ان کا یہ رویہ ہجرت کے بعد کے ماہ وسال میں اور زیادہ واضح بھی ہوتا چلا گیا اور پختہ بھی۔ سچ ہے کہ

COMING EVENTS CAST THEIR SHADOWS BEFORE

یہود کا رویہ اسی کے مصداق ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے موقع پر اور اس سے قبل مکی دور میں بھی بنی اسرائیل کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں رویہ، آنے والے عرصہ کے دوران رویہ کا عکس کامل تھا اور سوچا سمجھا بھی ——— یہ کسی ابہام یا لاعلمی کی بنیاد پر نہیں تھا۔

ہجرت کے بعد حضرت محمد ﷺ کے قیام مدینہ کے دوران کے
حالات وواقعات کا تذکرہ ان شاء اللہ اگلی اشاعت ہوگا۔

تعارفِ قرآن وعظمت قرآن

(دوسری قسط)

انجینئر مختار فاروقی

☆ **قرآن مجید کی سورتیں:** اب آیئے آیات سے سورۃ کی طرف۔ آیات کے مجموعہ کو سورۃ کہا جاتا ہے، ایک آیت قرآن مجید کے متن کی بنیادی اکائی ہے اب آیات کا جو مجموعہ ہوگا اس کو سورت کہا جاتا ہے۔ سُور کے لفظی معنی ہیں فصیل، چاردیواری۔ اب یوں سمجھئے کہ وہ آیتیں جو اس سورت (چاردیواری) میں ہیں وہ دوسری سورتوں آیتوں سے الگ ہیں ان آیتوں کا اپنا ایک مفہوم ہے ان کے اپنے اندر ایک ربط ہے تسلسل کلام ہے ایک مرکزی مضمون ہے محور (AXIS) ہے جس کے گرد وہ ساری گفتگو ہو رہی ہے تو وہ ایک سورۃ ہے۔ عربی میں دو چیزوں کو جمع شمار نہیں کیا جاتا گرائمر کے لحاظ سے تین چیزیں ہوں تو جمع شمار ہوتی ہیں۔ مختصر ترین سورت' سورۃ العصر تین آیتوں پر مشتمل ہے تو ایک سورۃ ہوگئی اور سورۃ البقرۃ طویل ترین سورت ہے جو ڈھائی پاروں پر مشتمل ہے سورتیں مختصر بھی اور طویل بھی دونوں ہیں۔ اس کو ہمارے دین کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ یہ تقسیم توقیفی ہے یعنی آیتوں کے حجم میں کسی منطق یا عقل کو دخل نہیں ہے بلکہ جیسے حضرت محمد، رسول اللہ ﷺ نے وحی کے ذریعے بتایا ویسے ہی وہ طے ہوگیا ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ سورت یہاں ختم ہو رہی ہے اور یہ سورۃ یہاں سے شروع ہو رہی ہے بس ویسے ہی قرآن مجید میں مقرر ہو گیا۔ یہ اپنی عقل، منطق، سوچ اور حالات کے مطابق نہیں ہے بلکہ یہ سراسر رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور وحی پر موقوف ہے جیسا انہوں نے معین کر دیا ہے۔

☆ **قرآن مجید کے احزاب:** آیات اور سورتوں کے بعد تیسری چیز جو دور نبویؐ میں ملتی ہے' ایک لفظ ہے وہ ہے 'حزب' یعنی سورتوں کی گروہ بندی کرنا، احادیث میں حزب کا لفظ منزل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے قرآن مجید کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں سات احزاب میں تقسیم کرلیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق ہفتے بھر میں قرآن کی تلاوت ختم کرلیا کرو۔ اب ایک ہفتے میں ختم کرنا ہے تو اس کے سات حصے ہونے چاہئیں، تاکہ ہر شخص اس معین نصاب کے مطابق پڑھتا رہے۔ وہ سات حصے قرآن کے سات احزاب ہیں اور بہت پیاری ترتیب ہے جو موجود ہے آج ہمارے سامنے جو قرآن مصحف ہے وہ ابتدا میں طویل سورتیں ہیں۔ سورۃ فاتحہ کو چھوڑ کر پہلے حزب میں تین سورتیں ہیں، دوسرے میں پانچ، تیسرے میں سات، چوتھے میں نو، پانچویں میں گیارہ، چھٹے میں تیرہ اور 114 سورتوں میں سے باقی حصہ ساتواں حزب ہے۔ ترتیب یاد رکھنی آسان ہے 3،5،7،9،11،13 ساتواں حزب 'حزب مفصل' کہلاتا ہے جس میں 65 سورتیں ہیں۔ حزب یا منزل کی اصطلاح صحابہ کرام ؓ کے زمانے سے ہی ہے۔ احادیث سے محسوس ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ نے اس کو معمول بنالیا تھا۔ حدیث میں ہے من نام عن حزبہ صحابہ کرام ؓ عام طور پر محنت کش لوگ تھے کاروباری لوگ تھے۔ سب اصحابِ صفہ کی طرز پر نہیں تھے' اپنے کاروبار اور دوسری جگہوں پر سفر کرتے تھے زراعت پیشہ بھی تھے تو دن میں ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ قرآن کے ایک حزب کی ایک دن میں تلاوت کرتے۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ وقت نکالتے لہٰذا اصل تلاوت رات کو ہوتی تھی اور آپ نے تلقین کی تھی کہ اصل میں قرآن کا پڑھنا نماز میں ہے اور صاف ظاہر ہے کہ وہ نماز تہجد ہی ہوسکتی ہے لہٰذا صحابہ کرام ؓ کا معمول تھا کہ اپنا حزب رات کو مکمل کرتے اور آپ نے فرمایا جس شخص پر کسی وجہ سے نیند طاری ہو جائے نیند کا غلبہ ہو جائے اور وہ رات کو اپنا حزب مکمل نہ کرسکے تو اسے چاہئے کہ وہ دن میں اپنا حزب مکمل کرلے گویا آسانی پیدا ہوگئی کہ اس دن کا پڑھا ہوا بھی رات کی عبادت کے برابر ہے۔ اس طرح اگر 30 پاروں کو 7 پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً 4.25 پارے ایک دن کے بنتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی جو قرآن روانی سے پڑھ سکتا ہے وہ بھی گھنٹہ سوا گھنٹہ میں ایک منزل پڑھ سکتا ہے۔ یہ اپنی اپنی PRIORITIES کی بات

ہوتی ہے کہ ہم 24 گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ اس کے لئے نکال سکتے ہیں کہ نہیں یہ ہمارے اپنے حساب کی بات ہے ورنہ زیادہ وقت نہیں لگتا ــــــــــ کوئی آدمی ہمت کر کے بیٹھ جائے اور کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ کہیں اس سے زندگی کے معمولات متاثر ہو جائیں کاروبار متاثر ہو جائیں یہ نہیں ہے ایک گھنٹہ تو لوگ ڈرامہ بھی بیٹھ کر دیکھ لیتے ہیں۔ خبروں، گفتگو، اخبار میں اتنا وقت لگا لیتے ہیں۔ اگر ہماری نظر میں قرآن کی عظمت پیدا ہو جائے تو یہ کام کرنا مشکل نہیں ہوگا۔

☆ **مکی سورتیں ــــ مدنی سورتیں:** ایک اور تقسیم جو قرآن کی ہے وہ ہے سورتوں کی تقسیم یعنی نزول کے اعتبار سے مکی یا مدنی۔ قرآن کی کل 114 سورتیں ہیں آپ جب قرآن پڑھتے ہیں تو بسم اللہ سے پہلے ہی لکھا ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ جس سورت پر مکی لکھا ہو وہ حضور ﷺ پر مکہ میں اتری ہے اور جس پر مدنی لکھا ہو وہ آپ پر مدینہ میں ہجرت کے بعد اتری چند آیات کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مکی ہیں یا مدنی باقی تمام آیات پر اتفاق ہے کہ یہ مکی ہیں، یہ مدنی۔

☆ **قرآن مجید میں سپاروں کی تقسیم:** اس کے بعد سپاروں کی تقسیم ہے۔ یہ سپاروں کی تقسیم دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بالکل نہیں تھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کوئی اس کے آثار یا ذکر نہیں ہے۔ دور تابعینؒ میں بھی بالکل آخر میں ہے اور جس شخص کی طرف یہ تقسیم منسوب ہے وہ بھی کوئی اچھی شہرت رکھنے والا شخص نہیں ہے۔ حجاج بن یوسف کی طرف یہ منسوب ہے کہ اس نے یہ تقسیم کی تھی اگر چہ یہ بھی کوئی ثقہ روایت نہیں ہے کہ اس نے قرآن مجید کو اس طریقے پر تیس پاروں میں تقسیم کیا۔ واللہ اعلم۔ اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جو لوگ قرآن کو سمجھتے تھے وہ لوگ مفہوم کے ساتھ ایک ہفتے میں قرآن ختم کر سکتے تھے۔ لیکن جب اسلام پھیلا تو جو لوگ قرآن اور عربی نہیں سمجھتے تھے وہ ہفتہ میں قرآن ختم نہیں کر سکتے تھے، دوسرا ان لوگوں میں جذبہ کی وہ گہرائی بھی پہلے جیسے نہیں رہی تھی اس طرح لگتا ہے جیسے کوئی قرآن کا مصحف تھا جس کو ورق گن گن کر برابر برابر تقسیم کیا تھا اس سے آگے انہوں نے کوئی زحمت گوارا نہیں کی۔ تیرہویں پارے کے آخر میں سورہ ابراہیم ختم ہو رہی ہے اور سورۃ حجر شروع ہو رہی ہے اس کی پہلی آیت تیرہویں پارے میں ہے باقی ساری سورۃ چودہویں پارے میں ہے۔ اسی طرح یٰسین ہے جو کہ روایت کے مطابق قرآن مجید کا

دل ہے لیکن اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیے گئے کچھ 22 ویں پارے میں اور کچھ 23 ویں پارے میں ہے اور تو جو چیزیں ہیں وہ ہیں لیکن قرآن کا دل بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہے۔ یہ بات اپنے دل میں ڈال لیجئے کہ کچھ چیزیں اللہ کی طرف منسوب ہیں اور کچھ چیزیں نبی ﷺ، دور نبویؐ کی طرف اور دور صحابہؓ کی طرف منسوب ہیں ان میں تو حکمت ہوتی ہے ان میں دین کا کوئی نہ کوئی اصول ہوتا ہے، انسان کیلئے کوئی نہ کوئی رہنمائی ہوتی ہے، ظاہری حسن بھی ہوتا ہے، ظاہری ترتیب بھی ہوتی ہے لیکن اکثر و بیشتر جس چیز میں انسانی ذہن کا عمل دخل ہوتا ہے اس میں وہ حکمت نہیں رہتی وہ ایسے ہے جیسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہو جو احزاب کی ترتیب ہے اس میں کوئی سورت نہیں ٹوٹی 5، 7، 9، 11، 13 اس میں کوئی حسن ہے جبکہ پاروں کی ترتیب میں نہ کوئی معنوی حسن ہے اور نہ ظاہری۔

☆ **قرآن مجید کے رکوع:** ایک مزید تقسیم جو غالباً دور صحابہ کے آخر میں کی گئی وہ رکوعوں کی تقسیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ طویل قرأت کرتے تھے۔ آپ اکثر و بیشتر نماز میں پوری سورت تلاوت کرتے تھے۔ لیکن جب بعد کے حالات پیدا ہوئے اور اسلام خاص طور پر غیر عرب علاقوں میں پھیل گیا تو سب لوگ حافظ بھی نہیں تھے کسی کو کچھ تھوڑا سا حصہ یاد ہے اب پتا نہیں چلتا کہ کتنی قرأت کریں کہاں رک جائیں تو فیصلہ کیا گیا کہ نشان لگا دیے جائیں جو آدمی یا غیر عرب اتنی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے وہ بھی سمجھ جائیں کہ کہاں رکنا ہے اس لئے نشان لگا دیے گئے کہ یہاں سے لے کر یہاں تک پڑھ لیا جائے تو رکوع کیا جا سکتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو بات یہاں سے چلی وہ یہاں تک پوری ہو جاتی ہے اور رکوع کر لیا جائے۔ آج ہمیں تلاوت کرتے وقت معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن میں کیا بات چل رہی ہے معلوم ہوا کہ سوال کیا گیا ہے اس کا آدھا جواب چل رہا ہے اور جواب مکمل نہیں ہوتا اور رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ باطنی لحاظ سے اور معنی کے لحاظ سے ہم اپنی نماز کی اس درجہ حفاظت نہیں کرتے۔

☆ **قرآن مجید کی معنوی تقسیم** ایک مزید بات کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ظاہری تقسیم جو کہ VOLUME کے اعتبار سے یا حجم کے اعتبار سے احزاب کی ہے اسی طرح ایک تقسیم جو قرآن مجید کے معنوی اعتبار سے ہے وہ ظاہری نہیں ہے بلکہ معنوی ہے۔ اس طرح نہیں کہ اللہ نے ساری مکی سورتیں قرآن کے ابتدا میں رکھ دیں یا ساری مدنی آخر میں؛ فعل

الحکیم لایخلو عن الحکمۃ کسی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جب ہم کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید کی ترتیب اللہ کی بتائی ہوئی ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی ہے؛ اگر ہم غور نہ کریں تدبّر نہ کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی چیز حکمت سے خالی ہے۔ لیکن حکمت صرف ان کو نظر آتی ہے جنہوں نے غور کیا، ان کی رائے میں معنوی لحاظ سے بھی سورتوں کے سات گروپ ہیں ہر گروپ میں چند مکی اور چند مدنی دونوں سورتیں شامل کی گئیں ہیں اس طرح یہ گروپس وجود میں آئے ہیں ان میں ہر گروپ کی سورتوں کا ایک مضمون ہے ایک خاص THEME ہے CENTRAL IDEA ہے۔ پہلے حزب میں سورۃ فاتحہ مختصر ہے مگر معنویت کے لحاظ سے بہت بھاری ہے اور اس کے ساتھ چار سورتیں مدنی ہیں جو طویل ترین ہیں (البقرۃ، آل عمران، النساء، المائدۃ) ان میں کچھ قدریں مشترک ہیں۔ غور سے معلوم ہوا کہ اس میں مضمون ایک ہے۔ مثلاً عبادات THEME ہے تو اس کا ایک رخ مکی سورتوں میں دوسرا رخ مدنی سورتوں میں ہے۔ انذار آخرت ہے اس کا ایک پہلو مکی سورتوں میں ہے دوسرا مدنی سورتوں میں ہے، دونوں رخ مل کر ایک مضمون کو مکمل کرتے ہیں۔

عظمت قرآن

یہ بات زیادہ وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جتنا ہم قرآن پاک کا تعارف حاصل کریں گے ہمیں اتنا ہی احساس ہوگا کہ اس کتاب کی کتنی عظمت ہے۔ تعارف قرآن سے متعلق چند باتیں سامنے آگئی ہیں تو اب ہمیں اس کی عظمت کا ادراک ہوگا۔ چند مزید باتیں بھی ہیں جو قرآن مجید کی عظمت کو بڑھاتی ہیں وہ آپ کے بھی علم میں ہیں۔ اس لئے مختصر طور پر تذکرہ کر رہا ہوں۔

☆ **قرآن مجید کا چیلنج** قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور آج سے 1400 سال پہلے اس نے لوگوں کو چیلنج دیا تھا کہ اگر کسی کو شک ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ حضرت محمد ﷺ نے خود بنایا ہے تو تم میں بھی بڑے خطباء اور شعراء لوگ موجود ہیں تم بھی اس طرح کی عبارت بنا کر لے آؤ پہلے مرحلہ میں کہا گیا کہ تم اس قرآن جیسا قرآن لے آؤ اس وقت تھوڑا سا قرآن اترا تھا بعد میں کہا گیا کہ تم اس قرآن میں موجود سورتوں جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور آخری مرحلہ میں ان کا ناطقہ بند کرنے کے لئے کہا گیا کہ ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ اگر اکیلے نہیں

تو کوئی بورڈ بنالو، کوئی کمیٹی بنالو، اجتماعی کوشش کرلو ــــــــــــــ قرآن نے پھر چیلنج دیا کہ اگر تم نہ کرسکو اور تم ہرگز نہ کرسکو گے اس لئے کہ یہ کلام اللہ ہے اس کی مثال بنانا اس کے مقابلے میں اس کے برابر عبارت بنانا مخلوق کے لئے ممکن نہیں ہے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ (البقرۃ)

''تو پھر اس آگ سے بچو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے''

یہ چیلنج قرآن کا آج تک قائم ہے یہ صرف عربوں کے لئے نہیں تھا اس زمانے کے لئے نہیں تھا کوئی تاریخ (DATE LINE) نہیں تھی بلکہ چیلنج آج تک قائم ہے۔

☆ **قرآن مجید کی سحر انگیزی** دوسری بات قرآن کی تاثیر ہے۔ شروع میں چند سورتیں نازل ہوئیں اس دوران کے واقعات میں مثلاً ولید جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بہت مخالف تھا بدر میں مارا گیا اس نے جب قرآن سنا سورۃ مدثر کی آیات ہوں گی یا سورۃ مزمل کی ابتدائی یا کوئی دیگر ابتدائی چند آیات ہوں گی جو اس نے سنی ہوں گی بالکل ابتدائی دور کا واقعہ ہے اس پر اثر ہوگیا کہ یہ تو بالکل اللہ کا کلام ہے واپس جا کر اس نے جب اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا تو اس کے ساتھیوں نے اسے کہا کہ تیرا دماغ پھر گیا ہے اور تم پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا جادو چل گیا ہے۔ اس نے اگرچہ اپنے ساتھیوں کو خوش کرنے کے لئے کوئی تاویل کر لی لیکن اس کے علاوہ اور واقعات بھی ہیں کہ عربوں پر اس قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا گہرا اثر ہوا۔ طفیل دوسی ایک شاعر تھا اس کا واقعہ ہے کہ وہ مکہ دوستوں سے ملنے آیا انہوں نے اسے کہا کہ مکہ میں ایک شخص ایسا آیا ہے جس کے پاس جادو ہے وہ جس کو اپنا کلام سناتا ہے اس کو اپنے جادو کے ذریعے زیر کر لیتا ہے بس اس سے ذرا ہوشیار رہنا وہ چار دن بالکل باہر نہیں نکلے کہ کہیں اس شخص کا کلام میرے کانوں میں نہ پڑ جائے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل کو کہا کہ اے طفیل تم کوئی بچے ہو کہ کوئی تمہارے ساتھ باتیں کرے اور تم اس کی باتوں میں آجاؤ تم اس کی غلط یا صحیح باتوں میں تمیز نہ کرسکو بھلا یہ کوئی بات ہے۔ وہ یہ سوچ کر گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت محمد رسول ﷺ کے پاس پہنچے ان کا کلام سنا اور مسلمان ہوگئے۔ تو آخر کوئی تو وجہ تھی کہ قرآن میں تاثیر تھی۔ آج ہم وہ تاثیر قرآن سے نہیں حاصل کر پاتے کہ ادھر سنیں اور ادھر دل پر اثر ہو جائے اور یہ فیصلہ کرلیں کہ آج کے بعد یہ ہوگا اور یہ نہیں ہوگا۔ یہ

ایک حقیقت ہے کہ قرآن کے ذریعے عرب معاشرے میں تبدیلی آئی۔قرآن کا جادو تھا جو سب پر چل گیا۔

☆ **قرآن مجید کی زبان ـــــ ایک زندہ زبان** تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کی زبان عربی ہے اور یہ خدا کا معجزہ ہے کہ تورات جس زبان میں نازل ہوئی وہ زبان بھی اب دنیا ناپید ہوگئی، انجیل کی زبان بھی ناپید ہے۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ناپید زبانیں ہیں۔تورات اپنے نزول کے چندسو برس بعد ہی تبدیل ہوگئی' زبان بھی کتاب بھی۔قرآن 1400 صدیاں گزرنے کے بعد بھی پڑھا اور سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں زبانیں سوسال کے بعد بدل جاتی ہیں۔ شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ اصل میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بیٹے شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا تھا اس کو سوسال گزرنے کے بعد بدل دیا گیا۔ مطلب، زبان، محاورہ اور الفاظ بدل گئے جبکہ قرآن مجید کی زبان چودہ صدیوں سے نہیں بدلی آج بھی ایک زندہ زبان ہے۔

☆ **قرآن مجید کا طرز کلام ـــــ ایک منفرد انداز** چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان، خطاب کا انداز، طرز تخاطب عام کتاب کی طرح نہیں ہے۔اس میں فہرست نہیں، دیباچہ نہیں، پیراگراف نہیں، سرخیاں نہیں، نہ سورتوں کو عام کتاب کے ابواب کی طرح CHAPTER کہا جاسکتا ہے۔قرآن کا انداز خطیبانہ ہے، جیسے کوئی خطیب تقریر کرتا ہے، جیسے خطیب کا انداز ہوتا ہے سامنے موجود لوگوں کو سمجھانے کا..... وہ انہیں ہنساتا ہے، رلاتا ہے، ڈراتا ہے، ان کے جذبات کو ابھارتا ہے پھر بعض اوقات ایسے لوگ جو موجود نہیں ان کو بھی خطاب کرتا ہے جیسے کفار جو نبی کریم ﷺ کی محفلوں میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اہل کتاب کو بھی خطاب کیا گیا۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو دعوت لوگوں کو دی اور ہدایت لوگوں تک پہنچائی وعظ ونصیحت کیا وہ سب قرآن مجید کے ذریعے ہی کیا آپ ﷺ بشیر بن کر آئے نذیر بن کر آئے۔ انذار قرآن کے ذریعے، تبشیر قرآن کے ذریعے، دعوت قرآن کے ذریعے حتیٰ کہ جہاد جس کے دو پہلو ہیں: ایک ہوتا ہے جہاد کی تیاری کا پہلو۔لوگوں میں حوصلہ (MORALE) پیدا کرنا جس کام کے لئے جہاد کرنا ہے اس کام کی محبت لوگوں کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھرنا کہ جب موقع آئے تو وہ لوگ تلوار پکڑ کر میدان میں نکل آئیں۔ یہ جہاد کا مرحلہ اوّل کوئی مراقبوں کے ذریعے،

چلہ کشی کے ذریعے، نفس کشی کے ذریعے نہیں طے کروایا بلکہ قیام اللیل کی محنت ومشقت اور دعوت قرآن کی مشکلات کے ذریعے کروایا۔ قرآن کو جتنا سمجھیں گے قرآن کی عظمت اتنی ہی دل پر نقش ہوگی۔ اللہ کا کلام ابدی ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اللہ کو پہچاننا چاہتا ہوں مگر ہدایت کا کوئی ذریعہ نہیں مل رہا۔ ہوسکتا ہے انجیل اور تورات کا اصلی نسخہ دنیا میں موجود ہو مگر لوگوں کی نظروں سے غائب کر دیا گیا ہو۔

کسی بات کی وضاحت کرنے کی دو انتہائی انداز (EXTREME) ممکن ہیں۔ کوئی بالکل سادہ بات کرے اور اس طرح سمجھائے کہ آپ خود کہو کہ بچگانہ سی بات ہے۔ دوسری انتہاء جسے انگلش میں کہتے ہیں SPEAKING OVER THE HEADS اتنے مشکل الفاظ اور اتنی مشکل بات کی جائے کہ کوئی سمجھ ہی نہ پائے قرآن ان دونوں کے بین بین ہے یعنی درمیان میں ہے قرآن مجید کے بیان سے ہر شخص کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن درمیانی درجہ میں بات کرتا ہے۔ ہمارے ذہنوں کے قریب ہو کر ہمارے دل کے قریب ہو کر بات کرتا ہے۔ آپ کسی صوفی کے پاس جائیں کسی بزرگ کے پاس جائیں اور وہ آپ کے بیٹھتے ہی آپ کے دل کی بات کہہ دے آپ کہیں گے فلاں بزرگ نے میرے وہاں بیٹھتے ہی میرے دل کی بات کہہ دی۔ معلوم ہوا کسی کے دل کے قریب ہو کر بات کرنا ایک خوبی ہے اس سے انسان متاثر ہوتا ہے کوئی شخص کس انداز سے اس کو پائے، قیافہ شناسی سے اور آپ کی شکل وصورت سے اندازہ لگا کر کہ اس کے گھریلو طور پر حالات صحیح نہیں، مالی طور پر حالات صحیح نہیں۔ اگر اس نے آپ کے دل کی بات بوجھ لی تو آپ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے، قرآن بھی اسی طرح کسی کے دل کے قریب ہو کر اس کے سامنے بات رکھتا ہے۔ قرآن نے منافقین اور کافروں کے دل کے قریب ہو کر بات کہی کہ ''تم قرآن ایسا بناؤ اور تم ہرگز نہیں بنا سکتے'' اسی طریقے پر ستر ہویں پارے سورۃ انبیاء میں فرمایا وہ کہتے تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا کہیں؟ یہ قرآن کہاں سے لاتے ہیں؟ کیسے بناتے ہیں؟ ان کو جادوگر کہیں؟ شاعر کہیں؟ کیا کہیں؟ قرآن مجید ان کی ان خالص نجی اور خفیہ محفلوں کا بھی ذکر کرتا ہے ''کہ تم جو آپس میں مشورے کرتے ہو اللہ کو خوب معلوم ہے''۔ کہ تم بیٹھ کر یہ طے کرتے ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اب کونسا الزام لگایا جائے (معاذ اللہ)۔

قرآن مجید کے اس انداز تخاطب سے کفار ومشرکین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے اور قرآن مجید کے وحی ربانی کا زبانی اقرار نہ کر کے بھی اندر سے شکست خوردہ ہوتے تھے۔

☆ **قرآن مجید کی سحر البیانی** نفسیاتی اعتبار سے کچھ ہمارے ظاہری معاملات ہوتے ہیں جو سب جانتے ہیں اور ایک ہوتا ہے باطن کبھی کبھی بظاہر آدمی بھلا چنگا صحت مند ہوتا ہے لیکن اندر سے دکھی ہوتا ہے اگر اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا جائے تو اس شخص پر اثر ہو جاتا ہے اور اگر اس کا علاج بھی بتا دیا جائے تو کیا ہی کہنے۔ یہی وہ چیز ہے جو قرآن کا طرز تخاطب اور طرز بیان ہے کہ لوگوں کی ذہنی اور نفسیاتی سطح کے قریب ہو کر بات کی ہے اور واقعتاً لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسی انداز تخاطب کو قرآن مجید کی اصطلاح میں کہتے ہیں وعظ اور موعظۃ یعنی دلوں کو نرم کرنا، دلوں کو پگھلا دینا، دلوں کو موم کر دینا۔ قرآن میں ہے

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (10-57)

''اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت (نصیحت) آ چکی ہے''

ایسی نصیحت جو تمہارے دل میں جا کر لگتی ہے قرآن مجید میں یہ تاثیر ہے کہ اس کی بات تیر کی طرح دل میں جا کر لگتی ہے اسی لئے اس آیت میں قرآن کو موعظت کہا گیا ہے جس سے دل نرم ہو جائیں۔ سورۃ الحدید میں فرمایا گیا ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (16-57)

''یعنی کیا ابھی تک مؤمنوں کے لئے یہ وقت نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اس قرآن سے جو حق کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے دل نرم ہو جائیں''

تمہارا دل جن باتوں کے متعلق سوچتا ہے تم جو منصوبے بنا رہے ہو قرآن تمہیں بتا رہا ہے کہ توبہ کر لو تم اس کو ٹال رہے ہو تم کہتے ہو ابھی نہیں کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تمہارے دلوں میں جو ہدایت پڑ چکی ہے اس کا تم اپنی زبان سے اقرار کر لو کب تک ٹالتے رہو گے تمہیں چاہئے کہ توبہ کی طرف آگے بڑھو اور اپنی زندگی کو بدل ڈالو۔

☆ **قرآن مجید ــــ شفاءٌ لی فی الصدور**

وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ (10-57)

''اور یہ قرآن دلوں کی یعنی باطنی بیماریوں کے لئے شفا ہے''

یہ قرآن مجید کی عظمت کا ایک پہلو ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام لے کر آتا ہے اس کے والدین کی تربیت ہی اس کو مجوسی نصرانی یا یہودی بنا دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ نیکی کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا نیکی حسن اخلاق کا نام ہے۔ سوال کیا گیا کہ گناہ کس چیز کا نام ہے فرمایا گناہ وہ (قول وعمل) ہے جو تیرے دل میں کھٹکا پیدا کرے اور تجھے یہ بہت برا لگے کہ تیرے اس کرتوت (قول وعمل) کا دوسروں کو بھی پتہ چل جائے۔ یہ گناہ کی DEFINITION ہے۔ اگر چھوٹا سا گناہ ہوگا تو دل میں تھوڑا سا کرب اور بے چینی ہوگی۔ اگر گناہ کوئی بڑا ہے تو بے چینی بھی زیادہ ہوگی جب کوئی قتل کرتا ہے تو بعد میں اس بے چینی اور کرب کی وجہ سے اعتراف بھی کرتا ہے، دل میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اگر آدمی مسلسل گناہ کرتا رہے اور مصنوعی دلائل سے اس عمل کو درست اور جائز ثابت کرتا رہے تو اس سے معاشرے میں بے چینی اور کرب بڑھے گا۔ اس معاشرے میں مجموعی طور پر بے مقصدیت اور FRUSTRATION بڑھ جائے گی۔ دینی اصطلاح یہ ہے کہ اگر انسان گناہ پر گناہ کرتا ہے تو اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے اب روح اگر قریب المرگ ہے تو اسے انتہائی دکھ اور کرب ہوگا۔ آج یہ سب اسی لئے ہے کہ ہماری تہذیب اور معاشرہ خدا ناشناس ہے یہی آج کا عذاب ہے اس لیے کہ آج کی تہذیب، سائنس، سہولیات یہ سب مغرب میں پروان چڑھی ہیں ان میں مذہب کا عنصر کم ہے۔ جس طرح اقبال کہتے ہیں کہ

؎ عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

دانش حاضر ایک عذاب ہے قرآن بھی اسی طرح فرماتا ہے فی قلوبھم مرض بعض لوگ ایسے ہیں جن کے دل میں روگ ہے اگر اللہ کی نافرمانی کی جائے گی تو یہی امراض پیدا ہوں گے ضمیر ان کو کاٹتا رہے گا اور باطنی دکھ، کرب اور بے سکونی عام ہوگی۔

☆ **قرآن مجید ــــ ایک معالج** قرآن وہ چیز ہے جو ہمیں اس کرب، دکھ اور

تکلیف سے نکالے گی۔لوگوں کے دلوں میں روگ ہے قرآن مجید میں اس روگ کے لئے شفاء ہے۔مایوسی، بے مقصدیت اوران سب امراض کا مداوا قرآن ہے۔مغرب میں جو بے چینی یا بے مقصدیت ہے وہ ان کی دوسو سال طویل بداعمالیوں کا حاصل ہے ان کی مذہب سے دوری ہے اب وہ مذہب نام کی کوئی چیز سننا نہیں چاہتے۔اخلاق اور خالق کائنات کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ نسل درنسل خدا کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں ضمیر کی مخالفت کرتے ہیں۔اب ان میں یہی باطنی بیماریاں ہیں قرآن ان بیماریوں کے لئے شفاء بن کر آیا ہے اور یہ اعلان آج بھی ہے ہر اس شخص کیلئے جو قرآن کے استدلال کو تسلیم کرے اور مذہب کی طرف آجائے۔چنانچہ ارشاد ہے:

وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے مؤمنین کے لئے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

اے نبی ﷺ فرمادیجئے اللہ کے فضل اور مہربانی سے یہ قرآن تمہیں ملا ہے چاہیے کہ تم لوگ اس پر خوش ہو۔

☆ **فہم قرآن مجید ــــ ایک فرحت بخش احساس** قرآن مجید پر خوشیاں منانے کو کہا کہ تمہیں یہ ہدایت ملی ہے۔مغرب آج باطنی بیماریوں میں مبتلا ہے مگر اس کے مقابلے میں مسلمان جتنا بھی گیا گزرا ہے مگر وہ خدا کو مانتا ہے اور اگرچہ باطنی بیماریوں میں مبتلا ہے تاہم مغرب کے مقابلے میں کافی کم ہے اگر ہم واقعتاً اس کتاب کو اپنا رہنما بنالیں تو ہمارے دلوں کے روگ دور ہو سکتے ہیں اور دنیا میں ہم اس قرآن کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جائیں تو آج جو دنیا پریشان حال ہے ان کی بیماریوں کا علاج ممکن ہے اور وہ علاج اور نسخہ کیمیا قرآن مجید ہمارے پاس ہے۔لوگ قیامت کے دن ہمارے گریبان پکڑیں گے کہیں گے شفا تمہارے پاس تھی تم اس پر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھے رہے اور تم نے اس کو عام نہیں کیا۔ہمیں اس کا احساس ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے اس حد تک تو خوشی منانے کی اجازت ہے کہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم قرآن مجید سمجھنے کی طرف مائل ہیں اور مسلمانوں میں تعلّم و تعلیم قرآن کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ہم جن خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں یا کاروبار کو آگے بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں اس سے کہیں بہتر ہے یہ قرآن مجید کا پڑھنا اور پڑھانا۔ بحیثیت مجموعی یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور پھر بدرجہ اتم ان لوگوں کی جن کے سامنے یہ بات کھل جائے کہ قرآن مجید اتنی بڑی نعمت ہے پھر وہ کسی اور چیز کو بڑا سمجھیں یا کسی اور چیز کی اہمیت زیادہ سمجھیں تو معلوم ہوا کہ انہوں نے قرآن مجید کی قدر نہیں کی۔ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ اس پر دل مطمئن ہونا چاہئے کہ یہ قرآن مجید دنیا کی بہترین نعمت ہے بقیہ نعمتیں نظروں کے سامنے ہیچ ہو جائیں تب تو بات ہے۔ حدیث ہے کہ

خیر کم من تعلم القران و علمه (عن عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان)

''تم میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کا کام قرآن مجید کا علم سیکھنا اور سکھانا ہے''

افسوسناک بات یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے حدیث کا یہ ٹکڑا آتا ہے تو ہماری نگاہ میں چند بچے ناظرہ اور حفظ کرتے نظر آتے ہیں اور حضرات ہم یہی سمجھتے ہیں کہ حدیث میں یہی کچھ کہا گیا ہے اور یہ بات ڈاکٹر رفیع الدین نے لکھی ہے کہ جب ہم کسی غلط بات کو اسلام کے ساتھ ایک حقیقت کے طور پر پیش کرتے ہیں چونکہ وہ حقیقت نہیں ہوتی تو اور لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا عوام کی نگاہ میں اسلام سے ہی نفرت پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ وہ غلطی ہماری ہوتی ہے نہ کہ اسلام اور قرآن کی۔ قرآن کے ناظرہ اور حفظ کو ہی ہم نے سمجھا کہ یہ خیر کا کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ناظرہ بھی، حفظ بھی، اس کے معنی بھی، اس کے مفہوم کو بھی عام کریں نہ کہ صرف حفظ اور ناظرہ کو۔ خیـــر کـم جس بات کو کہا گیا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کا سمجھنا اور اس کو پھر عام کرنا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ بقرۃ آٹھ سال میں مکمل کی عربی ان کی اپنی زبان، شان نزول ان کو معلوم، ان کو کچھ یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ڈکشنری ان کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے فرامین ان کے سامنے ہیں احادیث سے بھی رجوع کرنے کی اس معنی میں ضرورت نہیں ہے پھر بھی ان کو آٹھ برس لگے ہیں کس لئے لگے ہیں؟ صرف اس کی گہرائی میں جانے اس کے تدبر اور اس پر غور وفکر کرنے میں اتنا عرصہ لگا دراصل تعلیم وتعلّم قرآن کا جو میدان ہے وہ حقیقت اگر سامنے رہے گی تو زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کو اس

طرف لائے گی اور پھر اہل علم بھی اس کی طرف آئیں گے جو لوگ بی اے، ایم اے، بی ایچ ڈی میں علمی اور دنیاوی حیثیت رکھتے ہیں وہ بھی اس کام کو اختیار کریں گے۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ خیر کم جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ یہ ہے کہ قرآن کے علم، معنی، مفہوم کو عام کرنے کی ضرورت کا احساس اجاگر ہو اور انسان علوم قرآن کو دوسرے سیکولر مزاج لوگوں میں عام کرنے کا عزم کرے اور کوششوں کا آغاز کرے تو باصلاحیت نوجوان بھی اس قرآن فہمی کے میدان میں آگے آئیں گے اور زندگیاں وقف کرنے پر آمادہ ہوں گے۔

☆ **عظمت قرآن کا اعتراف** قرآن ہر دور میں ہدایت کا نور بن کر چمکتا رہے گا غائب نہیں ہوسکتا۔ ہر دور کے ذہنی سطح کے انسانوں کو ان کی سطح پر ہدایت فراہم کرتا رہے گا۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے انسانیت کیلئے بچپن کا دور تھا لکھنا پڑھنا، ایجاد نہیں ہوا تھا۔ پھر کتابیں بنانا سیکھیں، لکھنا پڑھنا سیکھا، پھر تاریخ لکھی گئی، پھر پریس ایجاد ہوگیا۔ آج کے دور اس دور کے حساب سے بہت عروج میں ہے۔ گزشتہ چودہ سو برس سے کتنی تبدیلیاں آئیں لیکن قرآن مجید ہر دور میں ہدایت کا مینار رہا ہے۔ نامعلوم آگے کتنی ترقی ہوگی۔ تب بھی قرآن مجید ہدایت کا منبع اور سرچشمہ رہے گا اور انسان حصول ہدایت کے لئے اس کا محتاج رہے گا۔

حضرات یہ ہے مختصر طور پر تعارفِ قرآن حکیم اور عظمت قرآن مجید۔ یہ چند بنیادی حقائق نگاہوں کے سامنے رہیں گے تو قرآن مجید کی طرف دل مائل ہوں گے مطالعہ کا شوق بڑھے گا اسکی زبان سیکھنے کا جذبہ بیدار ہوگا علوم قرآنی کے حصول کیلئے اوقات فارغ کرنے کا عزم بیدار ہوگا ان شاءاللہ۔

الدّخان

انجینئر مختار فاروقی

علامات قیامت میں سے لسان حق ترجمان سے بیان کردہ پہلی نشانی 'الدّ خان' ہے اس کے لفظی معنی ہے 'دھواں' یا SMOKE اور یہ لفظ معرفہ آیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ وارد ہے اور 25ویں پارے میں سورت نمبر 44 کا نام ہی الدّ خان ہے اور اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَـارۡتَـقِـبۡ يَـوۡمَ تَـأۡتِـى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ يَّغۡشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (11-10/44)

''تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا، جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ درد دینے عذاب ہے''

مفسرین کرام نے یہاں 'دخان' کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اس سے مراد کون سا 'دخان' ہے۔

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا، نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے زکام سا ہو جائے گا اور کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر بیہوش کر دے گا۔

2۔ حضرت ابن مسعود ؓ زور شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامت قیامت میں سے ہے، بلکہ قریش کے تمرد وطغیان سے تنگ آ کر نبی اکرم ﷺ

نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آ گئی (غالباً اسی دوران میں 'یمامہ' کے رئیس ثمامہ ابن آثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی بند کر دی) غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد و غبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کو یہاں دھواں سے تعبیر فرمایا۔

3۔ (ان دونوں تفسیروں میں موافقت) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا تعلق اس واقعہ سے ہے کہ مکہ معظّمہ میں حضور ﷺ کی دعا سے سخت قحط رونما ہوا تھا اور انہوں نے اسے رفع کرانے کے لیے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی اور کفار نے عذاب رفع ہو جانے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تھا "رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ" (اے پروردگار ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے ہم ایمان لاتے ہیں'۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا "انَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ" (ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں' تم پھر وہی کرو گے جو پہلے کر رہے تھے)۔ لیکن جب عذاب ہٹ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تو فرمایا (کہ جب تم نہ رسول کے سمجھانے سے مانتے ہو، نہ قحط کی شکل میں جو تنبیہ تمہیں کی گئی ہے اس سے ہی ہوش میں آتے ہو' تو) پھر اس دن کا انتظار کرو جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ یعنی ان آیات میں قحط کے عذاب کا بھی ذکر ہے لیکن یہ 'دخان' (دھواں) قحط کے زمانے کی چیز نہیں بلکہ علامات قیامت میں سے ہے۔

4۔ اس دخان سے مراد وہ گرد و غبار ہے جو فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ کے آسمان پر چھا گیا تھا۔

5۔ قرآن کریم نے کفارِ مکہ کو ایک آنے والے عذاب سے ان آیات میں ڈرایا ہے اس کے بعد جو بھی عذاب ان پر آیا اس کو کسی درجہ میں اس کا مصداق سمجھنے میں بھی کچھ بُعد معلوم نہیں ہوتا۔

(تفسیر عثمانی، معارف القرآن، تفہیم القرآن)

اشراط الساعۃ والی حدیث میں جو'الدخان' کا لفظ آیا ہے۔ وہ دخان اور ہے اور قوموں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکل جسے قرآن پاک 'دخان مبین' فرماتا ہے وہ ایک مختلف نوعیت کی چیز ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں وارد لفظ 'دخان' کی طرح علماء نے حدیث میں وارد 'الدخان' کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔ اس کو یہاں دہرانا مقصود نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرب قیامت میں (اور آج کا زمانہ قرب قیامت کا ہی زمانہ ہے) ایک خاص قسم کا دھواں ظاہر ہوگا جو دنیا میں 'انسانی حیات' کے خاتمے کی طرف بڑھنے یعنی زلزلۃ الساعۃ کی طرف لے جانے والے حالات میں سے ایک کڑی یا سبب ہوگا یا ظاہراً اس کی علامت ہوگا۔ ایک وقت آئیگا کہ علماء اسلام اس علامت کو پہچانے گے اور اس پر اتفاق کریں گے۔

آج کی ماحولیاتی آلودگی.....دھواں

علمی بحث سے گریز کرتے ہوئے آج کے ماحول میں ذرا نظر دوڑائیں تو ہر ذی شعور انسان یہ باور کرسکتا ہے کہ آج شہری اور اجتماعی زندگی میں جسے POLLUTION کہتے ہیں اور اس کا ایک اہم حصہ فضائی آلودگی ہے کہ جس سے دنیا میں حیات انسانی کو سخت خطرات لاحق ہیں وہ آگ اور دھواں ہی ہے۔ زمانہ قدیم سے آگ دنیا میں جلائی جاتی ہے اور انسانی تمدن اور بقائے حیات کے لیے ایک معاون ہے۔

عصر حاضر میں آگ سے پیدا ہونے والے دھویں میں ہولناک اضافہ کا ایک سبب انسانی آبادی کی کثرت بھی ہے، آج سے ڈیڑھ صدی پہلے دنیا کی آبادی 40-50 کروڑ سے زیادہ نہیں تھی اور اس طرح انسانی زندگی میں حرارت کو برقرار رکھنے اور کھانا پکانے یا صنعتی استعمال والی آگ اور نتیجتاً دھواں بھی بہت کم تھا۔ آج دنیا کی آبادی 650 کروڑ سے تجاوز ہے اور ضروریا انسانی بڑھ چکی ہیں شہری زندگی میں لکڑی، کوئلہ، قدرتی گیس، LPG وغیرہ کا استعمال بے تحاشا بڑھ چکا ہے اور یہ تمام اسباب ماحول میں آکسیجن کی کمی اور فضائی آلودگی میں اضافہ کا موجب ہیں۔

☆ انسانی آبادی میں اضافہ کے سبب گھریلو کوڑا کرکٹ اور WASTE کی مقدار میں بھی 30.....40 گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ استعمال کرو اور پھینک دو قسم کی بے شمار اسی چیزیں اسی WASTE میں اضافہ کا باعث ہیں۔ اکثر ان کو آگ لگا کر ضائع کیا جاتا ہے۔

☆ آج کی انسانی زندگی میں 'دھواں' یا SMOKE کا ایک اہم ذریعہ 'تمباکو نوشی' یا 'سگریٹ نوشی' کا دھواں بھی ہے۔ دنیا میں تمباکو نوشی اور سگریٹ نوشی کا دھواں تو براہ راست انسان کے اندر جاتا ہے اور کینسر اور امراض قلب کا موجب ہے، سگریٹ کے ہر پیکٹ پر پہلے عبارت درج ہوتے تھی کہ 18 سال سے کم عمر لوگوں کو سگریٹ فروخت نہ کیے جائیں یہ امراض قلب اور کینسر کا باعث ہے، اب اس کی تصویر شائع ہوتی کہ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں ہے تو کم از کم تصویر ہی دیکھ لے اور تمباکو سے پرہیز کرے مگر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ دنیا میں سگریٹ بنانے والی کمپنیاں اربوں ڈالر کا کاروبار کرتی ہیں اور اربوں کماتی ہیں مگر اس مضر انسانی صحت تمباکو کا کاروبار بند نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ساری ملٹی نیشنل ایک خاص گروہ کی ملکیت ہیں۔

☆ دنیا میں دھویں کا ایک اور سبب آج کی ٹرانسپورٹ ہے اور کارخانے ہیں جہاں CNG، ڈیزل، پٹرول، فرنس آئل، لکڑی کوئلہ اور WASET جلایا جاتا ہے۔

آج ٹرانسپورٹ میں انجن کو چلانے کے لیے جو پٹرول گیس ڈالی جاتی ہے وہ جلتی ہے تو انجن حرکت کرتا ہے اور یوں گاڑی چلتی ہے۔ موٹر سائیکل، کاریں، ویگنیں، بسیں، ریلوے، ہوائی جہاز اور سمندری جہاز سب اسی FUEL سے حرکت میں ہیں۔ ہر چیز میں آگ کی بھٹی ہے جو دہک رہی ہے اور سائلنسر سے دھواں نکل رہا ہے۔

اس وقت دنیا میں CNG، LPG اور گھریلو گیس کے استعمال کے علاوہ تقریباً ایک کروڑ بیرل (ڈرم) تیل روزانہ زمین سے نکالا جاتا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اتنی مقدار میں تیل مختلف شکلوں میں روزانہ جلایا جاتا ہے۔ جس سے مزید کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک کروڑ بیرل تیل کا روزانہ جلایا جانا.....فضائی آلودگی کا باعث ہے اور حیات انسانی کے لیے سخت خطرہ ہے۔

ٹرانسپورٹ کی وجہ سے آج بڑے شہروں کے مصروف علاقوں میں ٹریفک رک جائے تو گاڑیوں کے درمیان سے گزرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے کہ ہر گاڑی میں سے دھواں برآمد ہوتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اسی دھویں کی وجہ سے مصروف کاروباری سڑکوں پر عمارتیں، درخت دیگر اشیاء سیاہی مائل ہوتی ہیں، ایم اے جناح روڈ کراچی یا مال روڈ لاہور اس کی مثالیں ہیں۔

اس دھویں کی مقدار کا تصور ایک کروڑ بیرل تیل سے لگایا جاسکتا ہے یعنی

150,00,000 لٹر تیل روزانہ روئے ارضی پر جلایا جاتا ہے۔ لکڑی، گھریلو سوئی گیس، LPG سلنڈر اور دیگر جلائی جانے والی چیزوں کا دھواں اس پر مستزاد ہے۔ یہ وہ دھواں ہے جو آج ہر طرف عام ہے۔ موٹر سائیکل چلانے والے جانتے ہیں کہ کسی مصروف کاروباری علاقے کا دس پندرہ کلومیٹر کا سفر کرنے سے کپڑے، ہاتھ پاؤں چہرہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اضافی دھویں کی کوئی صورت بعید از قیاس نہیں ہے کسی آئل ریفائنری یا آئل فیلڈ میں 'اللہ نہ کرے' آگ لگ جائے تو دنیا میں ہر طرف ہی دھواں چھا جائے گا۔

اشراط الساعۃ کے ضمن میں غور کرتے ہوئے آج کے دور میں اسی ہمہ گیر اور کل روئے ارضی پر پھیلے ہوئے دھویں کو بھی اسی 'الدخان' کے قبیل ہی سمجھنا چاہیے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ابھی متبادل توانائی کا انتظام نہیں ہے اور اس دھویں کی مقدار میں موٹر سائیکلوں کاروں اور بسوں کی تعداد میں اضافے سے کئی گنا مزید اضافے کا امکان ہے جس سے یہ مصیبت یا نحوست 'آفاقی وبا' کی شکل اختیار کر سکتی ہے آج بھی یقیناً ہر شخص اس سے متاثر ہے اور مستقبل بھی مخدوش ہے۔ شہروں میں کارپوریشن میونسپل کمیٹیاں، تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن، پبلک ہیلتھ، ہارٹی کلچر کے ادارے پریشان ہیں مگر تا حال اس کا کوئی حل سامنے نہیں ہے اور صورت حال اس کیفیت کا ایک عکس ہے جو قرآن پاک میں وارد ہے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا.....(30-40)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے.....''

آج کا انسان ترقی کے نام پر کیے گئے اقدامات کی سبب اپنی ہی تباہی کا سامان فراہم کر رہا ہے کہ روئے ارضی پر زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کا لسان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے چودہ صدیاں پہلے اظہار بذات خود ایک معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شان کا ایک مظہر۔

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

سالانہ رپورٹ

یکم جنوری 10ء تا 31 دسمبر 2010ء

اجلاس الحمدللہ 1998ء سے انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ اپنے ارفع مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔مجلس عاملہ ومشاورت اور سالانہ اجلاس عام باقاعدہ منعقد ہوتے ہیں۔

دروس قرآن ہر اتوار سوائے رمضان المبارک کے صبح نو بجے تا گیارہ بجے تک شہر کے وسط میں ملت کالج جھنگ میں ہفتہ وار ترجمۃ القرآن کلاس منعقد ہوئی جو سوا دو سال جاری رہ کر 19 دسمبر 10ء کو اختتام پذیر ہوئی جس سے عوام نے استفادہ کیا۔اختتام کے موقع پر ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں اہل علم حضرات نے بھی اظہار خیال فرمایا۔شہر میں دو پروگرام پندرہ روزہ، چار ماہانہ اور دو ماہانہ پروگرام خواتین کے لئے خصوصی کامیابی سے چل رہے ہیں۔قرآن اکیڈمی میں خطبات جمعہ المبارک کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے جاری ہے۔

25 روزہ کورس گزشتہ چند سالوں کی طرح امسال بھی رمضان المبارک میں خواتین کے لیے مدرسۃ جنت لقرآن للبنات جھنگ شہر کے تعاون سے 11:00 بجے سے 12:00 بجے تک پچیس موضوعات پر قرآن اور احادیث کا درس مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دیا۔20 خواتین نے شرکت کی اور اسناد تقسیم کی گئیں۔

عربی کلاسز کا اجراء طلباء اور کاروباری و ملازمت پیشہ حضرات کے لیے آسان عربی کلاسز کا انعقاد کیا گیا ہے۔امسال دسمبر 10ء سے ہفتے میں چار دن الہدیٰ لائبریری محلّہ سلطانوالہ، ہر اتوار

اسلامک سائنٹفک سکول میں عربی کلاسز ہورہی ہیں اور جنوری میں مدرسہ جنت القرآن جھنگ شہر میں عربی کلاس منعقد ہوگی۔

ماہنامہ حکمت بالغہ ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ باقاعدگی سے جاری ہے اور ہر شمارہ اہل علم و دانش سے خراج تحسین وصول کررہا ہے۔اب تک ماہنامہ حکمت بالغہ کے چار خصوصی نمبرز بھی شائع ہوچکے ہیں 1۔ **حقیقت انسان نمبر** 2۔ **حقیقت علم نمبر** 3۔ **احیاء العلوم نمبر** جن کو ملک بھر میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے 4۔امسال "**دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظام تعلیم نمبر**" شائع ہوا ہے اس خصوصی شمارے کے بارے میں ملک بھر سے اہل علم ودانش کے تاثرات موصول ہورہے ہیں۔

رمضان المبارک گزشتہ پانچ سال سے تراویح کے ساتھ دورہ ترجمۃ القرآن' قرآن اکیڈمی میں منعقد ہورہا ہے۔تدریس کے فرائض انجینئر مختار فاروقی صاحب دیتے ہیں۔پروگرام کی تشہیر کے لئے پوسٹ کارڈ، اسٹیکرز، فلیکس اور کیلنڈر کا انتظام کیا جاتا ہے۔گزشتہ تین سال سے جامع مسجد دھجی میں بھی تراویح کے بعد ایک گھنٹہ مختصر ترجمہ قرآن کی نشست منعقد ہورہی ہے۔

الکتاب تقسیم سکیم وسطی پنجاب میں بی اے، بی ایس سی طلباء و طالبات کو الکتاب سکیم کی ترسیل انجمن خدام القرآن جھنگ کے ذمہ ہے۔ہر سال احباب وطلباء استفادہ کرتے ہیں۔

ہاسٹل سکیم آئندہ منصوبہ ہے کہ قرآن اکیڈمی میں پوسٹ گریجوایٹ طلبا کی رہائش کے لئے اسلامی ہاسٹل قائم کیا جائے جو وسائل کی فراہمی سے ہی ممکن ہے تاکہ دعوت قرآن کو وقت کی اعلیٰ سطح پر پیش کیا جا سکے۔

الہدیٰ لائبریری قرآن اکیڈمی میں الہدیٰ لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں تفاسیر، کتب، آڈیو ویڈیو مواد دستیاب ہے اور ماہنامہ حکمت بالغہ میں تبصرے کے لئے کتب اور تبادلہ میں 60 سے زائد رسائل وجرائد ہر ماہ موصول ہورہے ہیں جس سے فی الحال کم تعداد میں لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

کتاب نویسی کا مقابلہ انجمن نے اس سال جنوری 2010ء سے وکلاء برادری میں کل پاکستان کتاب نویسی کا مقابلہ منعقد کرانے کا فیصلہ کیا۔اس کے لئے اول انعام ایک لاکھ دینے کا اعلان کیا

گیا۔اس کے لئے پوسٹر،فولڈرز اور دیگر ذرائع سے پروگرام کی تشہیر کی گئی اور ضلع رتحصیل کی سطح تک تشہیری مواد پہنچانے کا اہتمام کیا گیا۔ ذاتی ملاقاتوں کے ذریعے وکلاء کو پروگرام کا تعارف کرایا گیا کئی مقامات پر بارروم میں خطاب کے ذریعے بھی اس پروگرام کی اہمیت واضح کی گئی۔ لیکن عدم دلچسپی کی وجہ سے یہ مقابلہ نہیں ہوسکا۔

قرآن اکیڈمی امسال قرآن اکیڈمی میں حرمت رسول ﷺ اور سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر سیمینارز منعقد ہوئے۔ ایک نکاح کی تقریب بھی منعقد ہوئی۔ یکم جنوری 10ء اور 25 رمضان کو مہمان خصوصی امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب مدظلہ تشریف لائے۔ قرآن اکیڈمی کی مسجد میں الحمدللہ جمعہ المبارک نائب مدیر مفتی عطاءالرحمٰن پڑھا رہے ہیں۔ خواتین ہال کو ائیر کنڈیشنڈ کر دیا گیا ہے اور مسجد کے لیے وسائل درکار ہیں تا کہ آئندہ موسم گرما کے رمضان میں پریشانی نہ ہو۔

تحفظ قرآن قرآن اکیڈمی جھنگ میں مقدس اوراق اور شہید قرآن پاک جمع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔شہر بھر سے مقدس اوراق اکٹھے کیے جاتے ہیں اور انہیں جدید سائنسی طریقہ پر اوراق کو دوبارہ کام میں لانے والی ایک فیکٹری کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

آئندہ منصوبہ ☆ کراؤن پلازہ نواز چوک کے کانفرنس ہال میں 7 جنوری 11ء سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہفتہ وار ترجمۃ القرآن کلاس منعقد ہو رہی ہے۔ ☆ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام ﷺ سیمینار کے سلسلہ کو برقرار رکھتے ہوئے، دوبارہ شروع کیا جائے گا۔ ☆ اکیڈمی کی لائبریری کو جدید انداز میں ترتیب دیا جائے گا تا کہ تحقیق اور مطالعہ کے تمام ذرائع میسر ہوسکیں۔

(سیکرٹری انجمن)

ان شاءاللہ

حکمت بالغہ

کی ایک اور خصوصی اشاعت

دورِ حاضر کی

اسلامی مثالی عالمی جمہوری فلاحی ریاست

کے لیے جدوجہد، اس کے قیام اور استحکام میں

خواتین کا کردار

یعنی

حقوقِ نسواں نمبر

ہوگی

قائین حکمت بالغہ اور اہل علم سے قلمی تعاون کی درخواست ہے۔

(ادارہ)